مکاتیب

رشید حسن خاں

بنام رفیع الدین ہاشمی



مُرتبہ

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ادبیات

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مکاتیبِ رشید حسن خاں

بہ نام

رفیع الدین ہاشمی

اردو کے ممتاز محقق اور نقاد

رشید حسن خاں

(۱۹۲۵ء-۲۰۰۲ء)

کے ۶۳ غیر مطبوعہ خطوط

(مع حواشی و تعلیقات).

مکاتیبِ رشید حسن خاں

بہ نام

رفیع الدین ہاشمی

ترتیب و تہذیب

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ادبیات
رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
فون: 042-7361408 ,042-7232788

Makateeb-e-Rasheed Hasan Khan ba naam Rafi-ud-Din Hashmi
(Letters of Rasheed Hasan Khan to Rafi-ud-Din Hashmi)
Ed. Dr. Arshad Mahmood Nashaad

کتاب کا نام : مکاتیب رشید حسن خاں بہ نام رفیع الدین ہاشمی
ترتیب و تہذیب: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد
ناشر : حافظ عمار وحید سلیمانی
حروف چینی : فہد پرنٹنگ ایڈوائزر، اٹک
مطبع : آر۔ آر پرنٹرز لاہور
طبع اوّل : جون ۲۰۰۹ء
تعداد : ۵۰۰
:

•••

ملنے کا پتہ

ادارہ مطبوعات سلیمانی

ہیڈ آفس
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
(C) : 042-7232788, 0313-7232788
E-mail: idarasulemani@yahoo.com

: ۳۔ بی نیاز و یو سکیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ
چوک چوبرجی لاہور۔
(C) : 042-7312648,8401105

: اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک
اقبال روڈ، راولپنڈی 051-5551742 :(C)

رشید حسن خاں

کے ایک مدّاح اور نیاز مند

عبدالوہاب خاں سلیم

(نیویارک)

کے نام

محبّی عبدالوہاب خاں سلیم کی ہمّت افزائی نے بھی بہت مدد کی، وہ مسلسل فون کرتے رہے اور کرتے رہتے ہیں اور یوں ہمّت ٹوٹنے نہیں پاتی۔

رشید حسن خاں

سلکِ دُرَرْ

عرضِ مرتب

رشید حسن خاں ہمارے عہد کے یگانہ روزگار محقق، بے بدل تدوین کار اور عبقری عالم تھے۔ اُنھوں نے تحقیق، تدوین، تنقید، قواعد، املا، لغت اور مسائلِ زبان جیسے متنوع اور دقیق موضوعات پر قلم اُٹھایا اور اپنی بے پناہ تحقیقی بصیرت اور علمی لیاقت سے ان موضوعات کو ثمر بار کیا۔ رشید حسن خاں نے حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی جیسے اکابرینِ تحقیق کے کمالاتِ علمی اور حاصلاتِ تحقیق سے کماحقہٗ استفادہ کیا اور ایک ایسے مہم آفریں اور صبر آزما جادۂ تحقیق پر سفر کا آغاز کیا جس پر چلنا کارِ آساں نہ تھا اور جس پر چلتے ہوئے بڑے بڑے ''محقق'' دو قدموں کی مسافت پر ہانپتے دکھائی دیتے ہیں۔ رشید حسن خاں کی ذات میں اکابرینِ تحقیق کے انفرادی خصائص مجتمع تھے۔ اُنھوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ علم وادب کے مختلف شعبوں میں جس انہماک اور دیدہ ریزی سے کام کیا، اُس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

علمی دُنیا میں اُن کا ہر کارنامہ اپنی مثال آپ ہے۔ اُنھیں تحقیق اور تدوین کی قدر و قیمت اور ضرورت و افادیت کا کامل احساس تھا؛ اسی احساس کے تحت اُنھوں نے بے سروسامانی اور نامساعد حالات کے باوجود تنِ تنہا ان شعبوں میں اتنا وقیع اور معیاری کام کیا جو باوسائل اداروں اور کئی افراد کے اشتراک سے بھی ممکن نہیں۔ کلاسیکی ادب پاروں کی تدوینِ جدید کو وہ وقت کی اہم ضرورت خیال کرتے تھے؛ اُنھوں نے اپنی تحریروں، تقریروں، سیمی ناروں، لیکچروں، مکالموں اور خطوں میں اس شعبے کو باثروت بنانے پر زور دیا۔ وہ محض گفتار کے دھنی نہ تھے بل کہ عمل کے خوگر بھی تھے۔ اُنھوں نے عملی طور پر کلاسیکی سرمائے کی تدوین کر کے ایسی مثالیں قائم کی ہیں جن کی ضیاپاشیوں سے تحقیق و تدوین کے طلبہ تادیر استفادہ کرتے رہیں گے۔

رشید حسن خاں اپنی بے پناہ تصنیفی وتالیفی مصروفیات کے باوجود "کثیر المراسلت" تھے۔ پاک وہند کے بیسیوں اہلِ علم کے ساتھ اُن کا برسوں کا سلسلۂ مکاتبت تھا۔ خط کا جواب دینے میں وہ ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے تھے۔ اُن کے مکاتیب محض مزاج پُرسی اور احوال آشنائی کا اشاریہ نہیں بل کہ علمی اور ادبی جواہر کا مرقع ہیں۔ ان کے مکاتیب کے آئینے میں اُن کا علمی تجمّل پوری شان کے ساتھ عکس فگن ہے۔

زیرِ نظر مجموعے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے نام رشید حسن خاں کے پچاس مکاتیب شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بارہ غیر مطبوعہ مکاتیب بہ طورِ ضمیمہ شاملِ مجموعہ ہیں۔ ان میں سے ۹ خط عبدالوہاب خاں سلیم کے نام ہیں۔ ایک خط ڈاکٹر تحسین فراقی، ایک مشفق خواجہ اور ایک خط مدیر ترجمان القرآن کے نام ہے۔ یوں اس مجموعے میں شامل مکاتیب کی مجموعی تعداد ۶۲ ہے۔ ان مکاتیب کا زمانۂ تحریر مکتوب نگار کی زندگی کے آخری پچیس سالوں پر پھیلا ہوا ہے۔ مجموعے میں شامل پہلا خط ۲۰ر مارچ ۱۹۸۴ء کا ہے اور آخری خط ۲ر فروری ۲۰۰۶ء کا ہے جو مکتوب نگار کی وفات (۲۶ر فروری ۲۰۰۶ء) سے صرف چوبیس دن قبل لکھا گیا تھا۔

مکتوب نگار کی زندگی کا یہ دور مصروف ترین دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ کتنے ہی علمی، ادبی، تحقیقی اور تدوینی منصوبے اس دور میں مکمل ہوئے اور کتنے ہی خوابوں کو تعبیر آشنا ہونے کا موقع ملا۔ تلاش و تعبیر، فسانۂ عجائب، باغ و بہار، تفہیم، انشا اور تلفّظ، عبارت کیسے لکھیں، انشاے غالب، مثنوی گلزارِ نسیم، مثنویاتِ شوق، تدوین تحقیق روایت، سحر البیان، املاے غالب، مصطلحاتِ ٹھگی، کلاسکی ادب کی فرہنگ [جلد اوّل] اور زٹل نامہ جیسے اعلا سطح کے تحقیقی اور تدوینی کارنامے اسی دور کی یادگاریں ہیں۔ اس قدر عدیم الفرصتی کے باوجود خط کتابت کے سلسلے کو جاری رکھنا مکتوب نگار کی ہمّت اور مکتوب الیہم کے ساتھ اُن کے تعلقِ خاطر کی دلیل ہے۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا شمار عہدِ موجود کے اکابر اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔ اُنھوں نے تسلسل اور تواتر سے تحقیقی، تدوینی اور تنقیدی کام کر کے اقبالیات کے سرمائے کو ثروت مند کیا ہے۔ اگرچہ اُنھوں نے بعض دیگر ادبی موضوعات پر بھی قابلِ قدر کام کیا ہے، تاہم اُن کی وجہِ شہرت اور درجۂ اختصاص اقبالیات ہے۔ رشید حسن خاں سے اُن کے تعلقِ خاطر کی ابتدا ۱۹۸۴ء میں اُس وقت ہوئی جب اُنھوں نے اپنی گراں قدر تحقیقی کتاب تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و

توضیحی مطالعہ کا ایک نسخہ خاں صاحب کے مطالعے کے لیے بھیجا۔ رشید حسن خاں کو عام طور پر اُن کے بے لاگ تبصروں اور بے باک تنقیدات کے باعث سخت گیر محقق اور ناقد کہا جاتا ہے۔ رُو رعایت اور مصلحت اندیشی اُن کے مسلک میں نہ تھی۔ اُنھوں نے جس بات کو غلط جانا اُسے ڈنکے کی چوٹ غلط کہا اور جسے حق سمجھا اُس کی تعریف و توصیف میں بُخل سے کام نہ لیا۔ ہاشمی صاحب کی متذکرہ کتاب کی لفظ لفظ خواندگی کے بعد اُنھوں نے اس کی دل کھول کر پذیرائی کی اور اسے صفِ اوّل کا کام قرار دیا۔ اُنھوں نے اس کتاب کو صرف اقبالیات ہی میں اضافہ قرار نہیں دیا بلکہ تدوین اور تحقیق کے طلبہ کے لیے نافع قرار دیا۔ اُن کا اندازِ تحسین دیکھیے:

____ صاحب! میں نے آپ کی اِس کتاب کو جی لگا کر اور نظر جما کر ازاوّل تا آخر پڑھا اور کسی طرح کے تکلّف کے بغیر یہ عرض کرتا ہوں کہ اِسے قدرِ اوّل کا کام پایا۔ آپ نے جُزئیات پر جس طرح توجہ مبذول کی ہے اور اِس سلسلے میں جس اہتمام کو ملحوظ رکھا ہے، اب وہ کم یاب ہے۔ ایک خاص بات یہ بھی ہے متن کے تقابل کے سلسلے میں آپ نے املا کے متعلّقات پر پوری طرح توجہ کی ہے، اور [یہ] پہلو ایسا ہے، جواب تک محرومِ توجہ رہا ہے۔ جس دیدہ ریزی اور باریک بینی کے ساتھ آپ نے ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، اور رموزِ اوقاف پر نظر ڈالی ہے، وہ ایک مثال کی حیثیت سے پیش کیے جانے کے قابل ہے۔

اس کے بعد مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان دوستی کا رشتہ گہرا ہوتا گیا۔ اس دوستی کے استحکام میں دونوں کے تحقیقی مزاج، اخلاص کیشی، سخت کوشی اور علمی اندازِ کار نے اہم کردار ادا کیا۔ رشید حسن خاں ایک دو بار جب پاکستان آئے تب دونوں کے درمیان ملاقاتوں کا سلسلہ بھی رہا جن سے سلسلۂ دوستی مزید مضبوط ہوا۔ رشید حسن خاں اُنھیں اپنا پیر و مرشد کہا کرتے تھے اور اُن کی رائے کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے۔ اسی طرح رفیع الدین ہاشمی بھی اُن کی علمی اور ادبی خدمات کے ہمیشہ معترف رہے اور اُن کی تحریروں سے کسبِ فیض کرتے رہے۔ ہاشمی صاحب کی خواہش کے احترام میں رشید حسن خاں نے لفظیاتِ اقبال اور تدوینِ کلامِ اقبال جیسے اہم منصوبوں پر کام آغاز کر دیا تھا مگر دستِ اجل نے اُنھیں مہلتِ کار نہ دی ورنہ اُن کے کمالاتِ علمی سے اقبالیات کی دُنیا بھی مستنیر ہو جاتی۔ آخر الذکر منصوبے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اُن کے شریکِ کار تھے۔ زیرِ نظر مکاتیب میں اس منصوبے کی مکمل تفصیلات اور جزئیات موجود ہیں۔

رشید حسن خاں کا اُسلوبِ نگارش موضوعات کی ثقاہت کے باوجود، شعریت کے ذائقے

سے معمور ہے۔ اُنھوں نے انتہائی خشک اور بے رس موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے مگر اُسلوب کی خوش رنگی کے باعث اُن کی تحریریں ذوق وشوق اور جذب و اشتیاق کے ساتھ پڑھی جاتی رہی ہیں۔ اُن کے مکاتیب میں بھی اُسلوب کی یہ رعنائی اپنے تمام تر رنگوں کے ساتھ عکس ریز ہے۔ زیرِ نظر مجموعے میں شامل مکاتیب کی مجموعی فضا سنجیدہ اور علمی ہے۔ اس طرح کی فضا بالعموم قارئین کے لیے اُکتاہٹ اور بے زاری کا باعث بنتی ہے مگر رشید حسن خاں کے مکاتیب، اظہار کی دل کشی اور اُسلوب کی چاشنی کے باعث قارئین کو اپنے متن سے اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتے۔ مکتوب الیہ اور مکتوب نگار کے درمیان ادب واحترام کا رشتہ ہے؛ دونوں ایک دوسرے کے مقام و مرتبے سے آشنا اور ایک دوسرے کے مزاجوں سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ادب واحترام اور محبت و مودّت کا یہ رنگ تمام مکاتیب میں برابر موجود ہے۔ مکاتیب میں کہیں بے تکلفی اور کہیں چھیڑ چھاڑ کا رنگ نمودار ہوا ہے مگر جیسے شعلہ ایک لمحے کے لیے اپنی جھلک دکھا کر ہوا میں معدوم ہو جاتا ہے، اسی طرح بے تکلفی کا یہ رنگ ایک لمحے کے لیے قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور پھر وہی علمی اور سنجیدہ فضا مکاتیب کے متن پر حکم رانی کرنے لگتی ہے۔ بے تکلفانہ رنگ کے یہ چھینٹے اُسلوب کی رعنائی میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔

یہ مکاتیب صحیح معنوں میں علم کا گنجینہ اور معارف کا خزینہ ہیں۔ تحقیق، تدوین، املا، اقبالیات اور دیگر علمی و ادبی موضوعات پر کتنے ہی نادر نکات ان مکاتیب میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ یہ مکاتیب ایک عالم اور محقق کے علمی و ادبی مشاغل و مصروفیات کا اشاریہ بھی ہیں اور اُن کی نجی و ذاتی زندگی کے عکاس بھی۔ ان کی پسند و ناپسند، معمولاتِ روز و شب، پریشانیاں، راحتیں، بیماریاں، علاج معالجے، منصوبے، خواب، آرزوئیں اور نہ جانے کیا کیا ان مکاتیب کے متن میں موجود ہیں۔ وہ حقیقی معنوں میں فنا فی العلم کے درجے پر فائز تھے۔ اُن کی زندگی علم کی خدمت میں گزری؛ انھوں نے چونتیس سال کا طویل عرصہ دہلی میں تنہا اور بیوی بچوں سے دُور گزارا۔ وہ ہمیشہ آرام و آسائش سے بے نیاز تحقیقی و تصنیفی کام میں منہمک رہے۔ زندگی کے آخری سالوں میں جب وہ مسلسل بیماریوں کی زد میں تھے اور ڈاکٹروں نے انھیں مکمل آرام کرنے کی تلقین کی، تب بھی وہ ایسے تھکا دینے والے کام انجام دیتے رہے، جن کے بارے میں سوچ کر ہی پسینا آنے لگتا ہے۔ جب کوئی علمی منصوبہ مکمل ہو جاتا تو طمانیت کا احساس انھیں ایک نئی توانائی سے سرشار کر دیتا اور وہ بالکل تازہ دم ہو کر نئے کام میں جُت جاتے۔ اُن کے اسی علمی انہماک اور تحقیقی سرشاری نے اُردو ادب کا دامن بھر دیا۔ عام لوگ اس طرح کے تحقیقی و تدوینی کاموں کو ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتے

ہیں کیوں کہ اس راہ کی الجھنوں اور دشواریوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ رشید حسن خاں کو اس کا ملال رہا کہ لوگ محنت سے جی چُراتے ہیں اور تحقیق و تدوین کے کاموں سے گریز پائی اختیار کرتے ہیں۔ اُنھوں نے ہاشمی صاحب کو ایک خط میں لکھا:

____ تحقیقی و تدوینی کام یوں بھی بہت اچھے اب نہیں ہو پا رہے ہیں، اس لیے کہ جس انہماک کی ضرورت ہوتی ہے اِن کے لیے، وہ عنقا ہو گیا ہے۔ لوگ ''کثیر المقاصد'' بنتے جا رہے ہیں، اور تحقیق شرک کو قبول کرتی نہیں۔ پھر بھی عرضِ تمنا کرتے رہنا چاہیے، شاید آجائے کوئی آبلہ پا____ میں تصوّف کے بہت خلاف ہوں، لیکن اس میں ترکِ دُنیا کا جو تصوّر ہے، اُسے میں بہت عزیز رکھتا ہوں اور تحقیق کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری سمجھتا ہوں؛ مگر میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے!!

زیرِ نظر مکاتیب کی ترتیب و تدوین میں حسبِ ذیل طریقِ کار اختیار کیا گیا ہے:

۱۔ مکاتیب کو تاریخ وار ترتیب دیا گیا ہے۔

۲۔ مکتوب نگار کے روشِ تحریر اور املا کا مکمل اتباع کیا گیا ہے؛ چوں کہ وہ الفاظ اور حروف [جیسے چوں کہ، حالاں کہ، بشرطے کہ وغیرہ] کو ملا کر لکھنے کے قائل نہیں، اس لیے اُن کے تتبع میں اسی قاعدے کو اپنایا گیا ہے۔ چند ایک جگہوں پر عجلت میں اُنھوں نے بعض الفاظ کو ملا کر لکھا ہے جنھیں میں نے اُسی صورت میں برقرار رکھا ہے جیسے: غمگساری، چشم براہ، شرمسار، بیجوابی، ٹیلیفون وغیرہ، البتہ قوسینِ کبیر [ ] میں کذا لکھ کر نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اسی طرح بعض جملوں میں جہاں مکتوب نگار نے ایک ہی لفظ کو دو بار لکھا ہے یا سہواً اُن سے کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے وہاں بھی [کذا] لکھ دیا گیا ہے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ کمپیوٹر کمپوزنگ (مشینی کتابت) کے عدمِ تعاون کی وجہ سے ''کہہ'' کا اِملا خاں صاحب کے مطابق اختیار نہیں کیا جاسکا۔

۳۔ مکاتیب کی بہتر اور مؤثر تفہیم کے لیے ضروری مقامات پر حواشی و تعلیقات کا اضافہ کیا گیا ہے جو مکاتیب کے آخر میں نمبروار شامل ہیں۔

۴۔ خط میں تاریخوں کا اندراج یک ساں نہیں۔ مکتوب نگار نے کہیں خط کے آغاز میں اور کہیں خط کے اختتام پر تاریخِ تحریر رقم کی ہے اور تاریخ لکھتے ہوئے کہیں اُردو ہندسے استعمال کیے ہیں اور کہیں انگریزی ہندسے۔ میں نے اصول اور روایت کے مطابق

تاریخ کو مکاتیب کے آغاز میں درج کیا ہے تاکہ پہلی نظر ہی میں معلوم ہو جائے کہ خط کس تاریخ کا مرقومہ ہے۔

۵۔ متنِ مکاتیب سے پیش تر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے کوائف نامے شامل کیے گئے ہیں تاکہ بہ یک نظر ان کی زندگی کی اہم تر واقعات اور ان کی علمی و ادبی خدمات کا اندازہ لگایا جا سکے۔ مکتوب نگار کے چند ایک خطوط کے عکس بھی شاملِ کتاب ہیں جن سے مکتوب نگار کے سوادِ تحریر اور روشِ تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح خاں صاحب کی بعض تصانیف کے دستخطی سرورقوں کے عکس بھی دیے جا رہے ہیں، جن سے مکاتیب کے بعض مطالب کی تفہیم آسان ہوگی۔

کتاب کے ضمیمے میں تیرہ ایسے غیر مطبوعہ خط شامل کیے جا رہے ہیں جن کے بعض حصے ڈاکٹر ہاشمی کے نام پچاس خطوں کے متعدد موضوعات سے قریب تر ہیں اور اُن سے چند ایک نکات کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔ ہم ان خطوں کے مکتوب الیہم، خصوصاً جناب عبدالوہاب سلیم کے ممنون ہیں کہ انھوں نے رشید حسن خاں کے یہ خط عنایت کیے اور مجموعے میں شامل کرنے کی اجازت دی۔

ان گراں اَرز مکاتیب کی ترتیب و تہذیب کو میں اپنی خوش بختی خیال کرتا ہوں۔ رشید حسن خاں کے ساتھ میرے نیاز مندانہ تعلق کے باعث اُستادِ مکرم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے مجھے اس کام کے لیے منتخب کیا اور پھر خطوط، کتابیں، رسالے اور مضامین عطا فرمائے۔ الحمد للہ کہ ان کی تحریک و تشویق اور دُعاؤں کی بدولت یہ کام تکمیل آشنا ہوا۔ میرا حرف حرف اُن کا سپاس گزار ہے۔

۲۳ مارچ ۲۰۰۹ء

ارشد محمود ناشاد
شعبۂ اُردو
علّامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

☆☆☆



۲۲راپریل ۱۹۹۲ء
رشید حسن خاں [بطور مقرر]
سینٹ ہال
پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

[دائیں سے بائیں]
انتظار حسین
میرزا ادیب
مظفر علی سید



ایوانِ اساتذہ
اورینٹل کالج، لاہور
[۲۲/اپریل ۱۹۹۲ء]

[دائیں سے بائیں]
حفیظ الرحمٰن احسن
رفیع الدین ہاشمی
رشید حسن خاں
انتظار حسین

دیباچہ

۱

رشید حسن خاں سے میرا اوّلین تعارف، املا کے موضوع پر اُن کی بے مثل کتاب اردو املا کے ذریعے ہُوا، جو بالکل اتفاقیہ طور سے مالیر کوٹلہ کے مرحوم دوست ماسٹر محمد کفایت اللہ کے ذریعے ہاتھ لگی تھی۔ کفایت صاحب ۱۹۷۷ء اور مابعد کے زمانے میں پاکستان کے سالانہ دورے میں بھارتی کتابوں کے لیے بہت سے دوستوں کی فرمائشیں پوری کیا کرتے تھے۔ مَیں اُن دنوں پی ایچ ڈی کا مقالہ تیار کر رہا تھا اور میرا موضوع اقبال کے متنِ نظم ونثر کا مطالعہ اور اس کی تدوین سے متعلق تھا۔ چند ماہ بعد ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ بھی مل گئی۔ مجھے اپنے تحقیقی کام میں خاں صاحب کی دونوں کتابوں سے بیش بہا مدد ملی۔ مطالعۂ متن اور تدوینِ متن کے مسائل اور اس کی نزاکتوں کا صحیح شعور، خاں صاحب ہی کی تحریروں سے حاصل ہوا اور مجھے ان کی علمی و تحقیقی بصیرت سے بہت راہ نمائی ملی۔

غالباً ۱۹۸۴ء کے اوائل میں مَیں نے اپنا پی ایچ ڈی کا مطبوعہ مقالہ رشید حسن خاں کو ڈاک سے بھیج دیا۔ چند دن بعد ان کا بے حد حوصلہ افزا جواب آیا۔ (یہ خط زیرِ نظر مجموعے میں شامل ہے۔) اندازہ ہوا، وہ مقالے کے معیار سے مطمئن، بلکہ بہت خوش تھے۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں وہ پہلی بار پاکستان آئے۔ نقوش کے مدیر محمد طفیل مرحوم کے ہاں مقیم تھے۔ طفیل صاحب نے ایک شام چند احباب کو اپنے گھر (نیو مسلم ٹاؤن) مدعو کیا۔

رشید حسن خاں سے بالمشافہ یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس موقع پر ڈاکٹر سید معین الرحمٰن مرحوم، ڈاکٹر تحسین فراقی، محمد اکرام چغتائی اور عطاء الحق قاسمی بھی موجود تھے۔ نوائے وقت لاہور کے ادبی صفحے کے انچارج بیدار سرمدی نے خاں صاحب کا ایک تفصیلی انٹرویو لیا، جو ۱۳ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو نوائے وقت میں شائع ہوا۔ اسی دورے میں وہ کراچی بھی گئے۔ علی حیدر ملک نے روزنامہ جسارت کراچی میں ۱۴ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو ان کا انٹرویو شائع کیا۔

اصل میں یہ وہ موقع تھا، جب محمد طفیل مرحوم نے انھیں نقوش کے رسولؐ نمبر کی تقریب (منعقدہ اَواری ہوٹل) میں مدعو کیا تھا۔ صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اس تقریب کے مہمانِ خصوصی تھے۔ جلسے کے بعد، چاے پر مہمانوں سے جنرل کا رسمی تعارف کرایا گیا۔ انھوں نے مہمانوں کو اسلام آباد آنے کی دعوت دی، چنانچہ خاں صاحب اور ڈاکٹر خلیق انجم وغیرہ سٹیٹ گیسٹ کے طور پر، پورے سرکاری اہتمام (پروٹوکول) کے ساتھ اسلام آباد گئے، جہاں ان کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ صدر ضیاء الحق سے ملاقات کے موقع پر بھارت کے سفیر بھی موجود تھے۔ واپس لاہور آئے تو خاں صاحب صدر ضیاء الحق سے بہت متاثر نظر آتے تھے اور ان کے، ایک فوجی ڈکٹیٹر ہونے کے باوجود، ان کی شرافت، وضع داری اور اہلِ علم کی قدر افزائی کی تعریف کر رہے تھے۔ ضیاء الحق نے انھیں کچھ تحائف بھی دیے تھے، جن میں ایک ایک قالین بھی شامل تھا۔ ان قالینوں کو دہلی میں واقع پاکستانی سفارت خانے کے واسطے سے مہمانوں کے گھروں تک دہلی پہنچا دیا گیا۔

تقریباً دو سال بعد اپریل ۱۹۸۶ء میں مجھے عالمی اقبال سیمی نار میں شرکت کے لیے حیدر آباد دکن کا سفر درپیش ہوا۔ دلی پہنچ کر مَیں نے فوراً رشید حسن خاں کو ایک پوسٹ کارڈ لکھ دیا کہ دکن سے واپسی پر ملاقات کے لیے حاضر ہوں گا۔

۲۶؍اپریل کو دہلی کے راؤز ایونیو پر واقع انجمن ترقی اردو کے دفتر (اردو گھر) پہنچا۔ چند منٹ بعد، (یہاں دو روز سے جاری) ایک سیمی نار کے خاتمے پر، بہت سے مشاہیرِ ادب کی زیارت ہوئی اور مختصر ملاقات بھی، بیشتر سے پہلی بار۔ (مالک رام صاحب، عبدالمغنی صاحب، عبداللطیف اعظمی صاحب، ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب، شاداب ردولوی وغیرہ) خاں صاحب بھی موجود تھے۔

ہم تینوں (خاں صاحب، عبدالمغنی صاحب اور راقم) انجمن کے دفتر سے نکل چلے۔ دونوں حضرات کو ایک ہی سمت میں جانا تھا۔ عبدالمغنی صاحب آج شام کی پرواز سے پٹنہ جا رہے ہیں۔ کہنے لگے: روانگی میں دو تین گھنٹے باقی ہیں۔ آپ میرے ساتھ آیئے، مَیں بہار بھون میں ٹھہرا ہوا ہوں، وہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔

پیدل چلتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ تفصیل تو یاد نہیں، لیکن دونوں کی شگفتہ بیانی اور حاضر جوابی کا ایک نقش ضرور باقی ہے۔ دونوں بزرگ برابر کی چوٹ تھے۔ ترکی بہ ترکی جواب دینے میں ماہر۔ مَیں ان کی باتیں سُن سُن کر محظوظ ہوتا رہا۔ آخر ایک موڑ پر عبدالمغنی صاحب اور خاں صاحب کے راستے جدا ہو گئے۔ (ڈاکٹر عبدالمغنی سے اس ملاقات اور

لاہور میں دوسری ملاقات (نومبر ۱۹۹۸ء) کی مختصر رُوداد مَیں اپنے ایک مضمون بعنوان ''ڈاکٹر عبدالمغنی: ایک جید نقاد اور اقبال شناس'' میں بتا چکا ہوں۔ یہ مضمون اورینٹل کالج میگزین لاہور، ہماری زبان دہلی کے ڈاکٹر عبدالمغنی نمبر اور اردو ڈائجسٹ لاہور میں چھپ چکا ہے۔)

ایک دو روز بعد محمد کفایت اللہ مالیر کوٹلہ سے دہلی پہنچے۔ میں نے بتایا کہ آج شام خاں صاحب سے ملاقات طے ہے، وہ بھی ساتھ ہو لیے۔ ہم گائر ہال پہنچے۔ ایک چارپائی پر کتابیں بڑے سلیقے سے اس طرح چُنی ہوئی تھیں کہ ان کے پشتے نظر آ رہے تھے۔ شاید کچھ کتابیں دو ایک الماریوں میں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں۔ مجھے ایک کتاب مالک رام: ایک مطالعہ از ایم شاہد کی تلاش تھی۔ خاں صاحب کے پاس ایک فاضل نسخہ موجود تھا، از راہِ تلطف مجھے دے دیا۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے کہا: آیئے! کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ طعام خانہ (ڈائننگ ہال) ان کے کمرے سے بالکل متصل تھا۔ ان کے ساتھ ہوسٹل کا لذیذ ویجی ٹیرین کھانا کھایا اور اس دوران میں باتیں بھی ہوتی رہیں۔ کھانے کے بعد پھر کمرے میں بیٹھ گئے اور کچھ دیر بعد رخصت لی۔

۱۹۹۲ء میں وہ ''نقوش اوارڈ'' کی تقریب میں شرکت کے لیے پھر پاکستان آئے۔ یہ تقریب اسلام آباد میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس میں خاں صاحب کو بھی اوارڈ دیا گیا۔

محمد طفیل مرحوم کے لائق فرزند جاوید طفیل، تقریب کے بعد مہمانوں کو اسلام آباد سے لاہور لے آئے اور ایک روز پرل کانٹی نینٹل ہوٹل میں ''ملاقات کا ایک بہانہ'' کے عنوان سے خاں صاحب سے لاہور کے ادیبوں، شاعروں اور دانش وَروں کی ملاقات کا اہتمام کیا۔ اگلے روز، اورینٹل کالج کے شعبہ اُردو نے سینٹ ہال میں ان کے لیکچر کا اہتمام کیا، جس کا موضوع ''تحقیق'' تھا۔ اس جلسے کی صدارت معروف دانش وَر اور ممتاز نقاد مظفر علی سید نے کی تھی۔ سٹیج پر محترم میرزا ادیب اور جناب انتظار حسین بھی رونق افروز تھے۔ رشید حسن خاں کے بعض قارئین سمجھتے تھے کہ ان کی تحریروں میں خشک مزاجی اور ''پٹھانیت'' کا ایک عنصر پایا جاتا ہے؛ مگر اس جلسے میں ان کی صاف گوئی، کھری کھری باتوں، دل نشین لب و لہجے اور بحیثیت مجموعی عمدہ گفتگو نے اس تاثر کو ختم کر دیا اور ان کی باتوں نے ''دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے'' کے مصداق سامعین و حاضرین کے دِل دل پر دستک دے کر، ہر طرح کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا۔ تحقیق کے خشک موضوع پر ایسے خوب صورت لیکچر کے بعد، طلبہ اور طالبات ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ان سے بڑھ بڑھ کر آٹوگراف

مل بیٹھنے کا ایک بہانہ

بھارت سے ہمارے مہمان

رشید حسن خاں

کی آمد پر ادارہ نقوش نے اپنے
مہمان کو آپ سے ملانے کا اہتمام
کیا ہے ۔

پروگرام

موضوع
سوال و جواب
اور من پسند باتیں

تاریخ : ۲۰، اپریل
وقت : ۳½ بجے سہ پہر
مقام : پرل کانٹی نینٹل، لاہور

متمنیِ شرکت
جاوید طفیل
ایڈیٹر نقوش

لینے لگے۔ کچھ دیر اورینٹل کالج کے ایوانِ اساتذہ میں چاے کی نشست پر بھی ان سے ملاقات رہی، سوال و جواب ہوتے رہے۔ اپنے چند روزہ قیام میں خاں صاحب لاہور کے علمی، تحقیقی اور ادبی حلقوں میں اپنی شخصیت کا بہت اچھا، مثبت اور خوش گوار نقش چھوڑ گئے۔

جون ۱۹۹۷ء میں دہلی یونی ورسٹی کے اقبال سیمی نار میں شرکت کے لیے دلّی گیا۔ (ہمراہ: ڈاکٹر تحسین فراقی۔ ڈاکٹر محمد ایوب صابر) رشید حسن خاں مستقلاً شاہ جہاں پور منتقل ہو چکے تھے، ہم دہلی یونی ورسٹی کے مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ شاہ جہاں پور جا چکے ہیں، پھر بھی ایک روز علی الصبح میرے قدم گائر ہال کی طرف اُٹھ گئے۔ ہر سو ہو کا عالم طاری تھا۔ کمرہ نمبر ۹ پر جسے رشید حسن خاں خالی کر گئے تھے، تالا پڑا ہوا تھا۔

۱۹۹۴ء کے بعد ان سے رابطے کا واحد ذریعہ خط کتابت ہی رہ گیا۔ تبادلۂ خطوط نسبتاً زیادہ ہونے لگا، بایں ہمہ ان دنوں بھارت کا ویزا قدرے آسانی سے ملنے لگا تھا۔ سوچتا تھا کہ شاہ جہاں پور کا ویزا لوں اور ان سے مل آؤں، لیکن یہ سوچ، خواب و خیال سے آگے نہ بڑھ سکی۔ آخری دو برسوں میں فون پر ان سے بات ہو جاتی تھی، جس کا بڑا موضوع کلیاتِ اقبال، اردو کی تدوین کے مسائل تھے۔

تیس بتیس سال کے تعلق میں اگرچہ رشید حسن خاں سے بالمشافہ ملاقاتیں بہت کم رہیں، مگر مَیں نے انھیں ہمیشہ اپنے دل کے قریں پایا۔ ۱۹۸۴ء میں جس تعلقِ خاطر کا آغاز ہوا تھا، اُس کا اندازہ اِن پچاس خطوں سے لگایا جا سکتا ہے، جو زیرِ نظر مجموعے میں جوں کے توں پیش کیے جا رہے ہیں۔

۲

مشفق خواجہ کی وفات (۲۱ فروری ۲۰۰۵ء) کے تقریباً سال بھر بعد (۲۶ جنوری ۲۰۰۶ء) رشید حسن خاں کا سانحۂ ارتحال پیش آیا تھا۔ دونوں کی رحلت ہماری علمی و ادبی زندگی کے چند المناک حادثات میں سے ہے۔ ایک برس کے وقفے سے یکے بعد دیگرے دُنیاے تحقیق و تدوین کے آفتاب و ماہتاب، دونوں ہی غروب ہو گئے۔

رشید حسن خاں اپنے بے باکانہ، سخت گیر اور کڑے مزاج کی وجہ سے جلال کا ایک نمونہ تھے اور خواجہ صاحب اپنی دِل نواز شخصیت کے سبب ایک پیکرِ جمال تھے۔ جہانِ اردو اور جہانِ تحقیق و تدوین میں دونوں سے اُجالا تھا، روشنی تھی۔ آفتاب و ماہتاب دونوں غروب ہو گئے۔ لگتا ہے،

دونوں جہان تاریکی میں ڈوب گئے ہیں۔

مَیں نے اپنے نام مشفق خواجہ کے ۱۴۳ خطوط کا مجموعہ اوائل ۲۰۰۸ء میں شائع کیا تھا اور خیال تھا کہ خاں صاحب کے خطوط جلد تر شائع کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ (محبی عبدالوہاب خاں سلیم بھی بار بار اشاعت کا تقاضا کر رہے تھے)، لیکن مکروہاتِ زمانہ، مصروفیاتِ منصبی، لکھنے پڑھنے کے مشاغل، گھریلو ذمہ داریاں اور کچھ صحت کے مسائل آڑے آتے رہے (ع : ذرہ ذرہ دہر کا زندانیِ تقدیر ہے...... اقبال)؛ چنانچہ تمام تر عزم و ارادے کے باوجود، مجموعہ تیار ہوتے ہوتے ان کی وفات پر تین سال گزر گئے۔ اب بھی اگر عزیزِ محترم ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد میری درخواست پر ان خطوط کی ترتیب و تیاری اور ان پر حاشیہ نگاری کی ذمہ داری نہ اُٹھاتے تو مجموعے کی اشاعت، نجانے کب تک معرضِ تعویق میں رہتی۔

بھارت کے علمی و ادبی حلقوں میں رشید حسن خاں کا نام، اُن کی شخصیت اور ان کے کارنامے محتاجِ تعارف نہیں۔ وہاں قریب قریب تمام علمی و ادبی حلقے، جامعات کے بیشتر اساتذہ وطلبہ، بلکہ دینی مدرسوں اور صوبائی اکادمیوں کے وابستگان بھی خاں صاحب کو بخوبی جانتے ہیں، لیکن پاکستان کے بیشتر علمی اور ادبی حلقے ان سے 'کماحقہٗ' آشنا نہیں (نام ضرور سُن رکھا ہے)۔ پاکستان کے چند ناشرین نے خاں صاحب کی بعض تصانیف کے غیر قانونی اور جعلی اڈیشن شائع کیے تو یہ ایک حد تک، رشید حسن خاں کے تعارف کا ذریعہ بن گئے؛ لیکن اب بھی مجھے یقین ہے کہ ہماری جامعات کے متعدد اساتذہ اور علمی رتحقیقی اداروں کے بہت سے تحقیق کاروں نے اُن کی کسی ایک کتاب کا بھی غور سے مطالعہ نہیں کیا ہوگا۔ سو مناسب ہوگا کہ یہاں رشید حسن خاں کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔ جو لوگ اُنھیں نہیں جانتے، وہ زیرِ نظر سطور پڑھ کر ان کا اجمالی تعارف حاصل کر لیں گے۔ جو خاں صاحب کو جانتے ہیں، وہ اُنھیں کچھ اَور جان جائیں گے۔

۳

رشید حسن خاں کا سالِ ولادت، ان کے بقول: ''۱۹۲۵ء ہے 'دسمبر کا مہینا تھا' تاریخ کا علم نہیں۔'' ان کے والد امیر حسن خاں پولیس کی ملازمت میں تھے، مگر کٹر قوم پرست تھے۔ تحریکِ عدمِ تعاون میں ''مولویوں کے بہکانے میں آ کر نوکری چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔'' لیکن پھر دفتر کے سپرنٹنڈنٹ کے سمجھانے بجھانے پر استعفے کے بجائے، قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔

امیر حسن خاں طبیعت کے بہت سخت تھے، لیکن "دل کے بہت صاف اور نرم تھے۔ اگرچہ نرمی کا اظہار بہت کم ہو پاتا تھا۔ وہ کٹر دیو بند مخالف تھے۔" جب رشید حسن خاں نے قرآن پاک ختم کیا تو ان کے استاد نے اپنا باترجمہ قرآن پاک کا ذاتی نسخہ بطور انعام انھیں دے دیا۔ یہ مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمۂ قرآن تھا۔ خوش خوش گھر آ کر دکھایا کہ مولوی صاحب نے یہ قرآن شریف انعام میں دیا ہے۔ والد نے کو کھول کر دیکھا تو بقول رشید حسن خاں: "چہرے کا رنگ بدل گیا، بلکہ بگڑ گیا۔ انتہائے غضب میں کہنے لگے کہ اس وہابڑے کا ترجمہ میرے گھر میں بھیجا گیا ہے۔" مگر کیا کرتے، قرآن شریف کی بے ادبی تو کر نہیں سکتے تھے۔ "کچھ دیر بل کھاتے اور بڑبڑاتے رہے، پھر والدہ کو آواز دی: قینچی لاؤ، وہ لے آئیں۔ میری آنکھوں نے سامنے سارے حاشیے کاٹ کر چولھے میں جلا دیے اور اس پر بل کھاتے رہے کہ ترجمہ تو باقی رہ گیا، اس میں تو کچھ کر نہیں سکتے تھے"۔

امیر حسن خاں سرکاری سکولوں کی تعلیم کے خلاف تھے، کیوں کہ وہاں انگریزی پڑھائی جاتی تھی؛ اس لیے بیٹے کو دینی تعلیم کے لیے شاہ جہاں پور کے مدرسے بحر العلوم میں داخل کرا دیا۔ وہ پانچ سال تک (۱۹۳۴ء-۱۹۳۹ء) یہاں زیرِ تعلیم رہے۔ درسِ نظامی کی تکمیل نہ کر سکے، کیوں کہ گھر کے حالات بہت پریشان کن تھے۔ ذریعۂ آمدن صرف والد کی پنشن (۱۵ روپے ۲ آنے) تھا، اِس لیے تعلیم ادھوری چھوڑ کر ایک معمولی مزدور کی حیثیت سے آرمی کی آرڈیننس کلودنگ فیکٹری میں بھرتی ہو گئے۔ اُس وقت ان کی عمر چودہ سال تھی۔ فیکٹری کے مزدور؛ صاحبانِ اختیار کے ظلم و زیادتی اور استحصال کا شکار تھے۔ ۱۹۴۰ء کے وسط میں مزدوروں میں سے چند لوگوں نے مِل کر چھپ چھپا کر ٹریڈ یونین قائم کر لی۔ فیکٹری میں ایسی سرگرمیوں کی کلی ممانعت ہوتی ہے، اس لیے یہ بڑی جرات کی بات تھی۔ اسی اثنا میں یوپی کے بعض کمیونسٹ لیڈر وہاں آنے لگے۔ خاں صاحب کہتے ہیں: مَیں نے دیکھا کہ ان لیڈروں میں دوغلا پن ہے۔ ان کا نعرہ یہ تھا کہ "دنیا کے مزدورو! ایک ہو جاؤ"۔ مجھے یہ بڑا کھوکھلا نعرہ اور محض ایک سیاسی ہتھکنڈا محسوس ہوتا تھا؛ کیوں کہ ہر ملک، بلکہ ہر کارخانے کے مزدوروں کے مسائل یکساں نہیں۔ پھر وہ سب ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ بہر حال ان لیڈروں کے طرزِ عمل سے رشید حسن خاں صاحب بہت بددل ہوئے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی یہ سب، بقول خاں صاحب: اَپر کلاس سے آئے تھے۔ ان کی توجہ مزدوروں کے مسائل حل کرنے سے زیادہ، پارٹی کی آئیڈیالوجی پھیلانے پر ہوتی تھی۔ رشید حسن خاں مزدوروں کی یونین کے جوائنٹ سیکرٹری تھے۔ یونین نے ایک موقع پر فیکٹری میں ہڑتال کرائی، جو "کسی بھی آرڈیننس

فیکٹری میں پہلی باضابطہ سٹرائیک تھی۔'' یہ ہڑتال مسلسل ۳۴ روز چلی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد، فیکٹری میں چھانٹی شروع ہوئی۔ نکالے جانے والے مزدوروں کی پہلی ہی فہرست میں رشید حسن خاں کا نام بھی شامل تھا اور کیوں نہ ہوتا، وہ ہڑتال کرنے اور کرانے والوں میں پیش پیش تھے۔ بہر حال انھیں ملازمت سے نکال دیا گیا۔ یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے۔

خیال رہے کہ رشید حسن خاں فقط اس ملازمت پر قانع نہیں رہے، ان کے اندر حصولِ تعلیم کا جو ایک طبعی رجحان تھا، اس کے تحت وہ ملازمت کی پابندیوں اور ٹریڈ یونین کی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ، اپنی تعلیمی استعداد بڑھانے کے لیے بھی برابر کوشاں و سرگرداں رہے۔ وہ اس غربت، خودداری، محنت پیہم اور حصولِ علم کی لذتوں کو باہم آمیز کر کے جادۂ حیات پر کس طرح آگے بڑھے، یہ حکایتِ لذیذ خود اُنھی کی زبانی سنیے: ''۱۹۴۵ء تک [فیکٹری میں] کام کرتا رہا۔ اوقاتِ فرصت میں تعلیم بھی حاصل کرتا رہا۔ والدہ مرحوم ہو چکی تھیں۔ بوڑھے والد، ۶ سال کی ایک بہن اور ۸ سال کا ایک بھائی میرے متعلقین میں سے تھے۔ دونوں وقت خود کھانا پکاتا تھا، بہن بھائی کی خبر گیری کرتا تھا اور بعد مغرب مکان سے دو میل کے فاصلے پر ایک بزرگ کے پاس پڑھنے جاتا تھا، جہاں ۱۰ بجے رات تک پڑھتا تھا۔ مَیں بیان نہیں کر سکتا میرے یہ استادِ محترم (خدا انھیں سلامت رکھے) کس شفقت، دل سوزی اور محنت سے پڑھاتے تھے۔ اس زمانے میں عربی کی درمیانی کتابیں اور فارسی کی اعلیٰ کتابیں زیرِ درس تھیں۔ ۱۹۴۵ء کے آخر میں جب خاتمۂ جنگ کی خوشی میں کارخانے میں کمی کی گئی تو مَیں دوسرے ہزاروں مزدوروں کے ساتھ بے کار ہو گیا۔ کچھ دن تک ایک زمیندار صاحب کے یہاں کارندہ گیری کا کام کیا۔ جیٹھ بیساکھ کی بھری گرمی اور چلچلاتی دھوپ میں گاؤں در گاؤں خاک چھانتا پھرتا تھا۔ تنخواہ صرف ۲۵ روپے تھی۔ پھر دو سال بعد ایک فلور مل پر ''منشی جی'' بن گیا، جہاں ۳۰ روپے تنخواہ ملنے لگی۔ صبح ۷ بجے سے ۸ بجے رات تک کام کرنا پڑتا۔ تعلیم حسبِ معمول جاری رہی۔ ۲ سال بعد راشننگ کی دُکان پر محرری کی نوکری مل گئی۔ اب تنخواہ ۴۵ روپیہ [کذا] ہو گئی۔ اس دوران میں مَیں فارسی و عربی کے بعض امتحانات بھی پاس کر چکا تھا۔ ۵۰ء میں ایک عربی مدرسے میں بنگالی طلبہ کو ابتدائی عربی اور منشی و منشی کامل کے طلبہ کو فارسی پڑھانے کے لیے نائب مدرس کی حیثیت سے رکھ لیا گیا۔ اب تنخواہ ۵۵ روپے ہو گئی۔ ۵۲ء میں شہر کے ایک ہایَر سیکنڈری سکول میں پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی، ایک پرانے مولوی صاحب اُمیدوار تھے۔ مَیں نے مولوی کا امتحان ضرور پاس کیا تھا، لیکن ڈاڑھی بالکل نہیں تھی۔ ڈاڑھی

در کنار، مونچھیں بھی ندارد تھیں۔ یہ بہت قابلِ ذکر بات تھی کہ ایک ڈاڑھی منڈا ایک متقی کے مقابلے میں آرہا ہے، لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ منیجنگ کمیٹی کے بیشتر اراکین خود بے نیاز ریش تھے۔ مولوی صاحب اور ان کے حواریوں کی کوشش بارآور نہیں ہوئی۔ آخر میں جب بالکل مایوس ہو گئے تو شہر کی بعض مسجدوں میں باقاعدہ تبلیغ کی گئی کہ یہ ایک حامیِ دینِ مبین کی سخت توہین ہے کہ اس کے مقابلے میں ایک نا آشنائے رسم و راہِ تقویٰ اور آوارۂ حدودِ تدیّن کو ترجیح دی جائے، لیکن بات کچھ بنی نہیں۔ سارے واویلا [کذا] کے باوصف مَیں اسکول میں پرشین ٹیچر ہو گیا۔ اب تنخواہ ۱۰۰ روپے ہو گئی۔ پچھلے سال اگست میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں ''اسسٹنٹ اردو اسٹڈیز'' کی ایک نئی جگہ نکلی۔ یونی ورسٹی نے یورپ کے بعض کتاب خانوں سے بعض قدیم مخطوطات کے عکس حاصل کیے ہیں، یہ سب فارسی میں ہیں۔ ان کے ترجمے، ترتیب اور مفصل حواشی تیار کرنے کے لیے یہ نئی جگہ نکالی گئی اور کسی سفارش کے بغیر میرا تقرر ہو گیا۔ اب ۲۳۰ روپے مل رہے ہیں''۔

رشید حسن خاں ۱۹۵۹ء میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو سے وابستہ ہوئے تھے۔ ۳۰ برس بعد وہ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء کو یہاں سے سبک دوش ہوئے۔

اس رُوداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ غربت اور ناداری کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی جدوجہد کے ساتھ، رشید حسن خاں کے ہاں اوائلِ عمر ہی سے مطالعے اور کتب بینی کا ذوق وشوق اور حصولِ علم کے لیے ایک لگن بھی موجود تھی۔ اس ضمن میں اطہر فاروقی کے روایت کردہ ایک واقعے کا ذکر بھی دل چسپی کا باعث ہوگا۔ فاروقی صاحب لکھتے ہیں: فیکٹری کی ملازمت کے زمانے میں بہت سے واقعات رشید صاحب نے مجھے سنائے تھے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ اس فیکٹری میں اس زمانے میں تین شفٹیں آٹھ آٹھ گھنٹے کی ہوتی تھیں۔ تیسری شفٹ میں، جو صبح چھے بجے ختم ہوتی تھی؛ درمیان میں آدھ گھنٹے سے کچھ زیادہ کا وقفہ ہوتا تھا۔ لوگ ذرا آرام کرلیا کرتے تھے۔ رشید صاحب طلسم ہوش رُبا کی جلد ساتھ لے جایا کرتے تھے اور اسے پڑھا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ انھوں نے طلسم ہوش رُبا دسوں جلدیں (آٹھ اصل جلدیں اور دو بقیہ طلسم ہوش رُبا) دوبار مکمل طور پر اسی زمانے میں پڑھی تھیں۔''

۴

رشید حسن خاں ایک خوش گفتار اور نفیس انسان تھے۔ اصول پرست، صاف گو، اپنے مقاصد

اور اہدافِ علمی میں یکسو، ہر طرح کی مصلحتوں، بے ڈھنگے پن اور کج روی سے بے زار...... ان کی باتیں، ہمیشہ کھری اور تحریر واضح اور دو ٹوک ہوتی ہے۔ ان کے اپنے بقول: ''خاندانی روایت، نسلی اثرات، اور مقامی خصوصیات نے شروع ہی سے صاف گوئی کا عادی بنا دیا تھا اور اسی نے تحقیق کی طرف متوجہ کیا۔'' اور اس میدان میں آکر خاں صاحب کو تحقیق و تدوین سے ایک طبعی مناسبت کا اندازہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خشک سے خشک موضوع اور مسئلے کو بھی ایسے سادہ، مگر علمی انداز و انہماک سے واضح کرتے کہ زیرِ بحث نکتہ سامعین کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔

رشید حسن خاں صاحب ایک کامیاب استاد اور مقرر بھی تھے۔ با قاعدہ درس و تدریس تو انھوں نے صرف سکول کے زمانے میں کی، مگر بعد ازاں انھیں بیسیوں سیمی ناروں میں لیکچر دینے اور ادبی حلقوں میں تقریریں کرنے کا موقع ملا۔ اسّی کی دہائی میں وہ بمبئی یونی ورسٹی میں لیکچر دینے گئے۔ موضوعِ گفتگو اِملا اور تدوین کے مسائل تھا۔ بہت خشک اور اَدَق موضوع ہے، لیکن خاں صاحب مدتوں سے ان مسائل کا مطالعہ کرتے اور ان پر لکھتے چلے آرہے تھے۔ انھیں متذکرہ موضوعات پر ایسی دسترس حاصل تھی کہ سامعین ان کے گرویدہ ہو گئے۔ ان کا پہلا ہی لیکچر ایسا شگفتہ، دل چسپ اور اس درجہ دل کش تھا کہ باقی لیکچروں میں بھی (جس کے موضوعات بظاہر خشک اور اَدَق تھے) ہال طلبہ و طالبات سے بھرا ہوتا تھا۔

ان کی شخصیت کا ایک دل چسپ پہلو یہ ہے کہ وہ کھیلوں سے بہت رغبت رکھتے تھے، خصوصاً ہاکی سے...... دہلی میں جب کبھی ہاکی کا کوئی اہم میچ ہوتا، وہ بالالتزام سٹیڈیم جا کر میچ دیکھتے اور اگر نہ جا سکتے تو ٹیلی وژن پر دیکھتے۔ فٹ بال، والی بال اور باسکٹ بال بھی ان کے پسندیدہ کھیل تھے۔ کہتے تھے کہ کھیل بہت انہماک سے دیکھتا ہوں، مگر اس سے ''میرے تحقیقی کاموں پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا۔'' ان کی طبیعت کا یہ رُخ، غالباً علمی اشغال میں غیر معمولی انہماک، دیدہ ریزی اور اَدَق لغوی و لسانی مباحث میں مصروف رہنے کا نتیجہ تھا، اور طبیعت کو یک رُخے پن سے بچانے اور متوازن رکھنے کی ایک کوشش بھی، جو بہر حال مستحسن ہے۔

رشید حسن خاں، جاہ طلبی، نام و نمود اور شہرت پسندی سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ ۱۰، ۱۱ سال پہلے مَیں نے ایم اے اردو کی ایک طالبہ مسرت انیس سے خاں صاحب پر تحقیقی مقالہ لکھوانے کا ڈول ڈالا۔ اس ضرورت سے شخصی زندگی کے بارے میں چند سوالات لکھ کر، خاں صاحب کو بھیجے گئے۔ پہلے تو انھوں نے جوابات دینے سے صاف انکار کر دیا، پھر میرے کہنے سننے اور عرض معروض

کرنے سے کچھ پسیجے اور سوالات کے مطابق اپنے حالات پر مشتمل چند صفحات لکھ بھیجے، جنھیں مَیں نے ''کچھ اپنے بارے میں'' کے عنوان سے ایک مضمون کی شکل میں شعبہ اردو، اورینٹل کالج لاہور کے مجلّے بازیافت (شمارہ اول: جنوری ۲۰۰۲ء) میں شائع کر دیا۔ یہ رشید حسن خاں کی مختصر آپ بیتی ہے اور ان کی شخصیت کی تفہیم کے لیے ایک کلیدی تحریر بھی۔ (ان کی دست نوشت تحریر کا عکس زیرِ نظر کتاب کے آخر میں شائع کیا جا رہا ہے)۔

بلاشبہ رشید حسن خاں، ایک یگانۂ روزگار شخص تھے۔ بقول خلیق انجم: حق گوئی اور بے باکی جسے ''آئینِ جواں مرداں'' کہا گیا ہے، وہ مرحوم کی فطرت کی جُزتھی، اور یہ ان کی شخصیت کا سب سے تابناک وصف تھا۔ بد دیانتی ٹریڈ یونین میں ہو یا ادب میں، اُن کے لیے نا قابلِ برداشت تھی۔ وہ ایک کھرے اور صاف گو انسان تھے۔ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے: ''ہم میں سے کوئی بھوکوں نہیں مرتا ہوتا۔ زندگی گزارنے کے لیے مناسب آمدنی موجود ہے، لیکن ہوس نے آنکھوں کو خیرہ کر رکھا ہے۔'' انھوں نے ہوس اور شہرت طلبی سے مقدور بھر اپنا دامن بچائے رکھا اور اپنے قلم اور عملی رویوں کے ذریعے ان فتنوں کے خلاف جہاد بھی کیا۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ ''آدمی اگر ایمان داری کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں مصروف رہے تو اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں بچ سکتا کہ وہ ہوس کا کاروبار چلا سکے۔''

رشید حسن خاں کے بارے میں پروفیسر شمیم حنفی نے کہا ہے کہ انھیں سچ، اپنی عافیت سے زیادہ عزیز تھا۔ ایک بار کسی مذاکرے میں تدریس کے مسائل زیرِ بحث تھے؛ متعدد نام ور اور جلیل القدر اساتذہ بحث میں شریک تھے۔ دو تین مقرروں کے بعد خاں صاحب نے مائک سنبھالا۔ متن کی صحیح قراءت کے سوال پر انھوں نے بہت دوٹوک انداز میں کہا: ابھی جو تقریریں ہوئیں اور مقالے پڑھے گئے، ان میں تلفظ کی کم سے کم بیس غلطیاں مَیں نے نوٹ کی ہیں۔ جب حال یہ ہے تو ہم کیا پڑھائیں گے اور طلبہ کو کیا سکھائیں گے؟ ایک اور موقع پر انھوں نے لکھا: ''آسان پسندی، علم اور تحقیق کی سب سے بڑی دشمن ہے؛ چنانچہ گذشتہ پندرہ سال کے دوران میں یونی ورسٹیوں سے جو مقالے شائع ہوئے ہیں، اگر وہ پچاس ہیں تو شاید ایک دو اس قابل ہوں کہ تحقیق کی تعریف ان پر درست آتی ہو۔'' ____ شاید خاں صاحب کی یہی صاف گوئی تھی کہ بھارت کی جامعات میں، جہاں اردو شعبوں کے اساتذہ نے تیسرے درجے کے شاعروں اور نقادوں پر بکثرت ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے اور لکھوائے، رشید حسن خاں پر ایک مقالہ بھی نہیں لکھا گیا۔ شاید انھیں حق گوئی کی سزا دی گئی تھی، مگر انھیں اِن باتوں کی پروا کب تھی۔

۵

ان کے علمی اشغال اور تحقیق و تصنیف کا اصل زمانہ دہلی یونی ورسٹی کی ملازمت کا ہے۔ ''یہاں ان کی شہرت اس ایک مضمون سے ہوئی، جو انھوں نے فیض احمد فیض کی شاعری پر لکھا تھا اور اس مشہور زمانہ شاعر کی زبان و بیان کی غلطیوں پر گرفت کی تھی۔ یہ مضمون انھوں نے انجمن ترقی اردو کے جلسے میں پڑھا تھا اور اس کا بہت چرچا ہوا۔ فیض ٹھہرے ترقی پسندوں کے مثالی شاعر۔ ان کی غلطیوں کو دوٹوک انداز میں طشت از بام کرنا بڑے دل گردے کا کام تھا۔'' یہ مضمون ان کے مجموعۂ مضامین تلاش و تعبیر میں شامل ہے۔ ان کا بیشتر تحقیقی و تصنیفی اور تدوینی کام قیامِ دہلی ہی کے (یا کچھ مابعد) زمانے کا ہے۔ فسانۂ عجائب، باغ و بہار، مثنوی گلزارِ نسیم، سحر البیان، مثنویاتِ شوق اور زٹل نامہ ان کے مخصوص اسلوبِ تدوین کے مثالی نمونے ہیں۔ اسی طرح کلاسکی ادب کی فرہنگ، مصطلحاتِ ٹھگی اور زیرِ طبع گنجینۂ معنی کا طلسم لغت و زبان پر ایک سیر حاصل اور بے مثل تحقیق ہے۔ زبان اور قواعد میں صحتِ زبان سے بحث کی گئی ہے۔ انھوں نے طلبہ و طالبات کی راہ نمائی کے لیے بھی تین مختصر کتابیں تیار کی تھیں (اردو کیسے لکھیں۔ انشا اور تلفظ۔ عبارت کیسے لکھیں)۔ ایک زمانے میں مکتبہ جامعہ نے، حکومتِ جموں و کشمیر کے تعاون سے قدیم اور کلاسیکی کتابوں کو صحتِ متن کے ساتھ مدوّن کرا کے، شائع کرنے کا ڈول ڈالا تھا۔ اس سلسلے کو ''معیاری ادب'' کا نام دیا گیا۔ اس کی مجلسِ ادارت میں رشید حسن خاں بھی شامل تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے خود باغ و بہار مرتب کر کے تدوین کا ایک نمونہ پیش کیا (۱۹۶۴ء) جو بقول شخصے: ''خاں صاحب کے وفورِ شوق کی پہلی انگڑائی تھی۔'' بعدہٗ اس سلسلے کی مزید بارہ، کلاسیکی کتابیں مدوّن کر کے شائع کیں۔ یہ طلبہ کے لیے تھیں؛ اس لیے انھوں نے یہ سب، صحتِ متن اور تدوین کے کڑے معیار اور اصولوں کے مطابق مرتب کیں۔ اُن میں خاص طور پر انتخابِ سودا اور انتخابِ ناسخ کی حیثیت ایک اعتبار سے مثالی تدوین کی ہے۔

خاں صاحب معیار اور اصولوں کے سلسلے میں کسی رُو رعایت یا سمجھوتے کے قائل نہ تھے۔ علی گڑھ یونی ورسٹی کی تاریخ ادبِ اردو (اوّل) پر ان کے تبصرے کے نتیجے میں، یونی ورسٹی نے مذکورہ جلد واپس لے لی اور پھر اس منصوبے کی بساط ہی لپیٹ دی گئی ___ ان کی علمی گرفت

نے اردو محققین کو محتاط بنا دیا تھا۔اسی سبب سے انتظار حسین نے انھیں ''تعمیری محقق'' قرار دیا ہے۔ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ رشید حسن خاں کے تنبیہی رویّوں نے اردو تحقیق و تدوین پر مثبت اثرات مرتب کیے اور اس سے ہمارا علمی معیار بلند ہوا ہے۔

رشید حسن خاں ایک بے بدل عالم اور محقق تھے۔ان کی علمیت، ان کی ژرف نگہی اور اجتہادی بصیرت؛ ان کی برسوں کی محنت و ریاضت، یکسوئی اور علمی انہماک و شغف کا نتیجہ تھی۔تدوین میں انھوں نے حافظ محمود شیرانی کو ''معلم اوّل'' قرار دیا اور تدوین میں وہ خود کو عرشی صاحب کا ''تلمیذِ معنوی'' سمجھتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''طبع حسرت نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض'' ـــــ چنانچہ خاں صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مَیں نے حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی تحریروں سے تحقیق کے آداب سیکھے، اسی لیے ان چاروں حضرات کو مَیں اپنا معنوی استاد مانتا ہوں۔رشید حسن خاں نے مذکورہ اساتذۂ تحقیق و تدوین کی روایات میں نہایت مفید اور وقیع اضافے کیے ہیں جو ان کے عالمانہ اجتہاد کی مثال ہیں۔

خاں صاحب کی مرتبہ باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند جین کا خیال ہے کہ ''یہ ایسے مکمل و مثالی کام ہیں جن کی نظیر نہ ماضی میں ملتی ہے، نہ عرصے تک مستقبل میں ملنے کی امید ہے۔یہ کتابیں تدوین کا ایسا بیش بہا خزینہ ہیں، جن میں لامتناہی دولت چھپی ہوئی ہے۔میرے نزدیک ایسی کتاب تیار کرنے کے لیے پندرہ بیس سال کا عرصہ درکار ہوگا۔ان میں ہر سے کتاب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے لیے ایک ایک سال کی مدت چاہیے؛ کیوں کہ ان کے ضمیموں میں جو معلومات بھری پڑی ہیں، انھیں پرکھنے اور ان کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے عمرِ عزیز کا ایک موقر حصہ نذر کرنا ہوگا۔میر کا شعر ہے:

سراپا میں جس جا نظر کیجیے
وہیں عمر اپنی بسر کیجیے''

گیان چند جین نے خاں صاحب کو ''خدائے تدوین'' کا لقب دیا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک رشید حسن خاں کی تدوینات ''آنے والی نسلوں کے لیے ایک نمونے کی حیثیت رکھتی ہیں۔'' بقول ڈاکٹر نیّر مسعود: ''وہ کلاسیکی متون کے بہترین تدوین کرنے والوں میں تھے اور یہی متن ان کا نام زندہ رکھیں گے۔'' میرا خیال ہے کہ تحقیق و تدوین کے کام آئندہ بھی ہوں گے، مگر اس معیار کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے۔اس اعتبار سے، ممکن ہے، خاں صاحب ہی ''خاتم المدوّنین''

ثابت ہوں۔

رشید حسن خاں نے ادبی تحقیق :مسائل اور تجزیہ میں تحقیق وتدوین کی عملی مثالوں کے ساتھ، ان کے اصول وقواعد اور ضابطوں پر بھی قلم اُٹھایا ہے۔ ان کا کام نظری وعملی تحقیق میں تطابق کی ایک عمدہ مثال ہے۔

اس کے ساتھ وہ ایک شگفتہ قلم نقاد بھی تھے۔ تلاش و تعبیراور تفہیم ان کی اعلیٰ درجے کی تنقیدی بصیرت کے یادگار نمونے ہیں۔ ان مجموعوں میں یوں تو سارے ہی مضامین لائق مطالعہ ہیں، لیکن ''دُہرا کردار'' میں خاں صاحب نے پتے کی بات کہی ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمارا المیہ ہے کہ دُہرا کردار رفیقِ مستقبل ہے؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ محقق ہو، نقاد ہو یا استاد؛ دُہرا کردار کسی کو بھی راس نہیں آسکتا۔ ایک بار اطہر فاروقی صاحب نے ان سے پوچھا کہ ہمارے ہاں علمی کام، اجتماعی سطح پر اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیوں نہیں انجام پاتے؟ خاں صاحب کا جواب تھا: ''ہمارے ہاں سب سے بڑی کمی اس وقت یہ ہے کہ اخلاقیاتِ تحقیق کا وجود گویا نہیں ہے، جس کی ہر بڑے اور اچھے کام کے لیے بنیادی حیثیت ہوتی ہے۔ اوّل تو ہمارے پاس ایسے کام کرنے والے کم ہیں اور جو ہیں، وہ دنیا کے دوسرے دھندوں میں اس قدر اُلجھے ہوئے ہیں، ایسے لگے ہوئے ہیں کہ علمی کام جس یکسوئی، جس ڈوب جانے والے انداز کا مطالبہ کرتے ہیں، اس کی نوبت نہیں آپاتی۔ ہر آدمی بہت سی کمیٹیوں کا رکن ہوتا ہے اور ممبر بننے اور ترقی کرنے میں لگا رہتا ہے۔ بہت سے سیمی نار، بہت سے سلیکشن کمیٹیاں، بہت سے منصوبے بنانا ہوتے ہیں۔ اپنا گروپ تیار کرنا ہوتا ہے، اِس کی ٹانگ کھینچنا ہوتا ہے، اُس کو آگے بڑھانا ہے۔ تو جب ذہن میں ہر وقت ایسی غیر علمی وغیر ایماندارانہ باتیں رہیں گی تو وہ کام کیسے عمل میں آسکتا ہے، جس کے لیے ایمان داری اور یکسوئی شرطِ اول ہے'' ...... خیال رہے کہ خاں صاحب کی باتیں ہوائی نہیں ہیں، انھوں نے ایمان داری اور یکسوئی کی شرائط سب سے پہلے خود اپنے اوپر عائد کیں۔ اچھی، پرسکون اور راحت بھری زندگی کسے عزیز نہیں؟ کون چاہتا ہے کہ وہ اپنے بچوں سے دور رہ کر، اُن ساری مسرتوں اور خوشیوں سے محروم رہے، جو اُن کے درمیان رہتے ہوئے حاصل ہوتی ہیں؛ مگر رشید حسن خاں نے کم وبیش تیس برس تک بن باس کاٹا اور دہلی میں اکیلے رہے۔ ایک بڑے مقصد کے لیے دنیا سے کنارہ کشی، ایثار وقربانی کا ایسا مظاہرہ کم ہی لوگوں نے کیا ہوگا۔

۶

آخری زمانے میں انھوں نے امرا و جان ادا اور عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغات مرتب کرنے کا عزم کر رکھا تھا۔ مؤخرالذکر پر تو کام شروع کر دیا تھا۔ ۳۹ صفحات کا مسودہ تیار ہو گیا تھا، مگر پھر یہ کام ''مستقلاً ملتوی کر دیا۔'' البتہ حیاتِ مستعار کے آخری برس (۲۰۰۵ء میں) انھوں نے ڈاکٹر خلیق انجم کی تحریک و تجویز پر کلیاتِ اقبال اردو کی تحقیقی تدوین کا پختہ عزم کر لیا تھا اور معاونت کے لیے اِس ناچیز کو شریکِ مدوّن نامزد کیا تھا۔ ہم نے اس کام کا ایک نقشہ بنایا، طریق کار طے کیا، اور مَیں نے انھیں ضروری کتابیں، کلامِ اقبال کی بعض بیاضیں اور متفرق لوازمہ بھیجا۔ اِس سلسلے میں خاں صاحب کے ایک مدّاح اور نیاز مند جناب عبدالوہاب خاں سلیم صاحب، ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے، مگر خرابیِ صحت کے سبب کام شروع کرنے میں تاخیر ہوتی رہی۔ راقم کے نام ایک خط میں عیدالاضحیٰ کے بعد کام بالفعل شروع کر دینے کا عزم ظاہر کیا تھا، مگر صحت کا مسئلہ آڑے آتا رہا۔ عارضۂ قلب اور بے خوابی ____ ماقبل زمانے میں پھیپھڑوں کی خرابی میں مبتلا رہے تھے۔ ۶ر دسمبر ۲۰۰۵ء کے ایک خط (بنام راقم) میں لکھا: ''سردی کا موسم مجھے راس نہیں آتا۔ اب پچھلے مہینے کے اواخر سے احوال یہ ہے کہ سر جھکا کر ذرا دیر بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ ریزش، چھینکیں اور آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے۔ لکھنا پڑھنا بند ہے۔'' دراصل خاں صاحب کا لکھنا پڑھنا کئی ماہ سے معطل چلا آ رہا تھا۔ اپنی مخدوش صحت کے پیشِ نظر، شاید انھیں دھڑکا بھی لگا رہتا ہو گا۔ کئی برس پہلے (غالباً اکتوبر ۱۹۹۷ء) میں عرشی زادہ کے اچانک انتقال پر خاں صاحب کا ''جی دہل کر رہ گیا۔'' انھوں نے نیّر مسعود کو لکھا: ''موت کا جھونکا پڑھا تھا، اس کا عمل اب معلوم ہوا۔ سچ ہے، یہ دنیا فانی ہے، مگر تدوین کا کام کرنے والوں کے لیے یہ سوچنا گناہ ہے، اس لیے مَیں یہ نہیں سوچتا ____ '' سو، خرابیِ صحت کے باوجود عزم یہ تھا کہ ''مَیں اقبال والے کام کو مثالی کام کے طور پر مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں دو سال تو لگ جائیں گے۔'' راقم خوش تھا کہ خاں صاحب جیسے محقق اور نقاد نے اقبالیات کی جانب اِعتنا کیا ہے، اسے مَیں نے اقبالیات کی خوش قسمتی جانا، لیکن کیا خبر تھی کہ یہ خوشی عارضی ہو گی اور وہ، اقبالیات تو ایک طرف، دنیاے فانی ہی سے منہ موڑ کر، اردو ادب، خصوصاً دُنیاے تحقیق و تدوین اور اپنے مدّاحوں اور قدر دانوں کو سوگوار چھوڑ جائیں گے۔ خدا اُن کی مغفرت کرے اور اُن کی رُوح کو آسودہ رکھے، آمین۔

جیسا کہ مَیں نے ابتدا میں ذکر کیا، زیرِ نظر مکاتیب کی تدوین و ترتیب ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی مرہونِ منت ہے۔ ڈیڑھ دو برس پہلے، جب مَیں نے اُن سے درخواست کی کہ وہ رشید حسن خاں کے مکاتیب مرتب کر دیں تو انھوں نے بطیبِ خاطر میری درخواست قبول کر لی۔ مَیں اس تعاون کے لیے، اُن کا دِلی طور پر ممنون ہوں۔ میرے لیے باعثِ فخر و مسرت ہے کہ مجھے اُن جیسے تحقیق و تدوین کی اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے شخص کی معاونت حاصل ہوئی۔

آخر میں اُس ذاتِ باری تعالیٰ کا شکر واجب ہے، جس نے مکتوب الیہ، مرتب اور ناشر کو اتنی مہلت اور توفیق بخشی کہ اردو تحقیق کے ایک نابغۂ روزگار شخص کی یاد میں یہ کتاب پیش کر سکیں۔

۲۵/اپریل ۲۰۰۹ء

رفیع الدین ہاشمی
rdhashmi@yahoo.com

حیات نامۂ رشید حسن خاں

دادا کا نام: حسن علی خاں

والد کا نام: امیر حسن خاں

قبیلہ: یوسف زئی (پٹھان)

تاریخِ پیدائش: ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء

[تعلیمی اور ملازمتی ریکارڈ میں تاریخِ پیدائش ۳۰ر جنوری ۱۹۳۰ء درج ہے۔ جس کے غلط ہونے کی طرف خود خاں صاحب نے کئی جگہ اشارہ کیا ہے۔ ماہ نامہ شاعر، بمبئی کے ہم عصر اُردو ادب نمبر شمارہ مئی تا دسمبر ۱۹۹۷ء میں سوانحی لغت کے لیے خود خاں صاحب نے اپنا سوانحی خاکہ تحریر کیا جس میں درست تاریخِ پیدائش ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۵ء قرار دی ہے۔ دیکھیے: شمارۂ مذکورہ ص ۱۱۹۴ب۔]

مقامِ پیدائش: شاہ جہاں پور (یو۔ پی) بھارت

تعلیم: درسِ نظامی [تکمیل نہ ہو سکی]: مدرسۂ بحر العلوم، شاہ جہاں پور۔ ۱۹۳۴ء-۱۹۳۹ء

دبیرِ کامل: لکھنؤ یونی ورسٹی۔ ۱۹۴۶ء-۱۹۴۸ء [اندازاً]

مولوی: عربک پرشین بورڈ، الٰہ آباد۔ ۱۹۴۶ء-۱۹۴۸ء [اندازاً]

شادی: ۱۹۴۴ء

مصروفیات: کلودنگ فیکٹری [آرڈیننس فیکٹری، شاہ جہاں پور] میں ملازمت: ۱۹۳۹ء-۱۹۴۶ء

معلّم عربی وفقہ: مدرسۂ فیضِ عام، شاہ جہاں پور۔ ۱۹۴۹ء

ہفتہ وار ندرت، بریلی میں ملازمت: ۱۹۵۰ء-۱۹۵۲ء

معلّمِ فارسی و عربی: اسلامیہ ہائر سیکنڈری سکول، شاہ جہاں پور ۱۹۵۲ء-۱۹۵۹ء

ریسرچ اسسٹنٹ: شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی اگست ۱۹۵۹ء-۳۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء

ملازمت سے سبک دوشی: ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء

شریکِ حیات: نفیس بیگم دختر منظور علی خاں [م ۲۹ر مارچ ۲۰۰۳ء]

اولاد: خورشید حسن خاں
خالد حسن خاں
نادرہ بیگم زوجہ مقصود حسن خاں

اعزازت: دہلی ساہتیہ کلا پریشد اوارڈ۔۱۹۷۷ء
یوپی اُردو اکیڈمی انعام۔۱۹۷۸ء
غالب اوارڈ۔۱۹۷۹ء
امتیازِ میر اعزاز: میر اکیڈمی، لکھنؤ۔۱۹۸۰ء
نیاز فتح پوری اوارڈ: کراچی۔۱۹۸۹ء
نیشنل اوارڈ: مہاراشٹر اُردو اکیڈمی۔۱۹۹۰ء
محمد طفیل ادبی اوارڈ: لاہور۔۱۹۹۰ء
کل ہند بہادر شاہ ظفر اوارڈ: اُردو اکادمی، دہلی۔۱۹۹۱ء
نیشنل حالی اوارڈ: اُردو اکادمی، ہریانہ۔۱۹۹۲ء
یوپی اُردو اکیڈمی انعام: ۱۹۹۴ء
ابوالکلام آزاد اوارڈ: اُتر پردیش اُردو اکیڈمی، لکھنؤ۔۱۹۹۸ء
پرویز شاہدی اوارڈ: مغربی بنگال اُردو اکیڈمی۔۱۹۹۸ء

لیکچر: مشرقی شعریات پر چھے لیکچر: شعبۂ اُردو جموں یونی ورسٹی۔اپریل ۱۹۸۳ء
اصولِ تحقیق پر پانچ لیکچر: شعبۂ اُردو بمبئی یونی ورسٹی۔فروری ۱۹۸۴ء
مشرقی شعریات پر تین لیکچر: جواہر لال نہرو یونی ورسٹی، دہلی
اصولِ تحقیق پر تین لیکچر: جواہر لال نہرو یونی ورسٹی، دہلی
اصولِ تدوین پر تین لیکچر: جواہر لال نہرو یونی ورسٹی، دہلی
اُردو تحقیق پر ایک لیکچر: شعبۂ اُردو، اورینٹل کالج، جامعۂ پنجاب، لاہور۔۱۹۹۲ء
مشرقی شعریات پر تین لیکچر: شعبۂ اُردو بمبئی یونی ورسٹی۔ستمبر ۱۹۹۵ء
کلاسیکی ادب کی تفہیم پر تین لیکچر: شعبۂ اُردو بمبئی یونی ورسٹی۔ستمبر ۱۹۹۵ء

قومی اور بین الاقوامی سیمی ناروں میں شرکت:
تین سو سالہ جشنِ یادگار شاہ سراج اورنگ آبادی۔اورنگ آباد

شیرانی سیمی نار: خدابخش اورینٹل لائبریری۔ پٹنہ
اصولِ تدوین سیمی نار: خدابخش اورینٹل لائبریری۔ پٹنہ
چکبست سیمی نار: مہاراشٹر اُردو اکیڈمی۔ بمبئی
دکنی ادب سیمی نار: بمبئی یونی ورسٹی۔ بمبئی
نصابِ تعلیم سیمی نار: دہلی اُردو اکادمی۔ دہلی
عوامی ادب سیمی نار: شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی۔ دہلی
اصنافِ ادب سیمی نار: دہلی اُردو اکادمی۔ دہلی
فانی سیمی نار: الہٰ آباد
نیاز سیمی نار: یوپی اُردو اکیڈمی۔ لکھنؤ
انٹرنیشنل نیاز سیمی نار: ۱۹۸۴ء۔ کراچی
سیماب سیمی نار: سینٹ کالج۔ آگرہ
جوش سیمی نار: شیعہ کالج۔
جوش سیمی نار: یوپی اُردو اکیڈمی۔ لکھنؤ
انٹرنیشنل غالب سیمی نار: غالب انسٹی ٹیوٹ۔ دہلی
دکنی ادب سیمی نار: شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی۔ دہلی
انٹرنیشنل املا سیمی نار: بمبئی یونی ورسٹی۔ بمبئی
مولانا آزاد سیمی نار: بمبئی یونی ورسٹی۔ بمبئی
مولانا آزاد صدی تقریبات: ، یوپی اُردو اکیڈمی۔ لکھنؤ

تصانیف و تالیفات: (صرف اولین اشاعتوں کا ذکر کیا گیا ہے)

۱۔ انتخابِ نظیر اکبر آبادی [انتخاب و ترتیب]: مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی: ۱۹۷۰ء
۲۔ دیوانِ درد [تدوین]: مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی: ۱۹۷۱ء
۳۔ انتخابِ مراثیِ انیس و دبیر [انتخاب و مقدمہ]: مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی: ۱۹۷۱ء
۴۔ انتخابِ شبلی (مضامین): مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی: ۱۹۷۱ء
۵۔ انتخابِ ناسخ [انتخاب و مقدمہ]: مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی: ۱۹۷۲ء
۶۔ انتخابِ سودا [انتخاب و مقدمہ]: مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی: ۱۹۷۲ء

۷۔حیاتِ سعدی[تدوین]:مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛۱۹۷۲ء
۸۔دیوانِ حالی[مقدمہ]:مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛۱۹۷۲ء
۹۔ موازنۂ انیس و دبیر[تدوین]:مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛۱۹۷۲ء
۱۰۔ گذشتہ لکھنؤ[تدوین]:مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛
۱۱۔ اُردو املا: ترقیِ اُردو بورڈ، نئی دہلی؛۱۹۷۴ء
۱۲۔ اُردو کیسے لکھیں: مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛۱۹۷۵ء
۱۳۔زبان اور قواعد: ترقیِ اُردو بورڈ، نئی دہلی؛۱۹۷۶ء
۱۴۔ ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ؛۱۹۷۸ء
۱۵۔ تلاش و تعبیر: انجمن ترقیِ اُردو ہند، دہلی؛۱۹۸۸ء
۱۶۔ فسانۂ عجائب[تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، دہلی؛۱۹۹۰ء
۱۷۔باغ و بہار[تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، دہلی؛۱۹۹۲ء
۱۸۔ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی [تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، نئی دہلی؛۱۹۹۲ء
۱۹۔ دہلی کی آخری شمع[تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، نئی دہلی؛۱۹۹۲ء
۲۰۔ تفہیم[مضامین]:مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛۱۹۹۳ء
۲۱۔انشا اور تلفّظ:مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛۱۹۹۴ء
۲۲۔ عبارت کیسے لکھیں:مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛۱۹۹۴ء
۲۳۔انشاے غالب:مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی؛۱۹۹۴ء
۲۴۔مثنوی گلزارِ نسیم[تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، دہلی؛۱۹۹۵ء
۲۵۔مثنویاتِ شوق[تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، دہلی؛۱۹۹۸ء
۲۶۔تدوین ـــــ تحقیق، روایت:[مجموعۂ مضامین]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، نئی دہلی؛۱۹۹۹ء
۲۷۔سحر البیان[تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، نئی دہلی؛۲۰۰۰ء
۲۸۔املاے غالب: ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی؛۲۰۰۰ء
۲۹۔مصطلحاتِ ٹھگی[تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند، نئی دہلی؛۲۰۰۲ء
۳۰۔ کلاسکی ادب کی فرہنگ، پہلی جلد[تدوین ومقدمہ]: انجمن ترقیِ اُردو ہند،

نئی دہلی؛۲۰۰۳ء

۳۱۔زٹل نامہ[تدوین ومقدمہ]: نئی دہلی؛۲۰۰۳ء

ناتمام منصوبے:

۱۔غرائب اللغات ازمولوی عبدالواسع ہانسوی

۲۔ گنجینۂ معنی کا طلسم[لفظیاتِ غالب]

۳۔قصائدِ سودا [تدوین ومقدمہ]

وفات: ۲۶رفروری۲۰۰۶ء

مدفن: شاہ جہاں پور

قطعۂ تاریخِ وصال:

''جامع کمالات شخصیت''

___۲۰۰۶ء___

اُسے صبحِ ازل ، دستِ عطا نے
عنایت کی قبائے علم و تحقیق
عطا اُس صاحبِ ذہنِ رسا کو
ہوئی زیب و ضیائے علم و تحقیق
بلند ، اِس دور میں لاریب تھا وہ
نشانِ ارتقائے علم و تحقیق
ہوا دستِ اجل سے سرنگوں، حیف!
لوائے اعتلائے علم و تحقیق
کہی تاریخِ رحلت اُس کی طارق
''وہ خورشیدِ سمائے علم و تحقیق''

___۲۰۰۶ء___

طارق سُلطان پوری

*

ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ طالبِ علم اُصول تو بہت سے پڑھ لیتا ہے؛ مگر اُن اُصولوں کا جس ادب سے تعلق ہے، اُس کو صحیح طور پر پڑھنے کی توفیق بہت کم کو نصیب ہو پاتی ہے۔ رجب علی بیگ سُرور کے حالات اور عہد پر دس صفحے لکھے جا سکتے ہیں، لیکن فسانۂ عجائب کی دس سطروں کو صحیح طور پر پڑھنا مشکل ہوگا۔ یہ صورت طلبہ ہی کی نہیں، بہت سے اساتذہ کا بھی یہی احوال ہے۔ وہ اُصولوں کی ہواؤں میں بہت اونچے اُڑیں گے اور لفظوں کے توتا مینا ایسے بنائیں گے کہ واہ واہ اور سبحان اللہ! مگر کسی قدیم نثری تصنیف کا ایک صفحہ بھی اچھی طرح بہ مشکل پڑھ پائیں گے اور ذرا مشکل نظم کے دو چار شعروں کو صحت کے ساتھ پڑھنے اور معنی مطلب بیان کرنے اور طرزِ ادا کے محاسن سمجھانے کی نوبت آجائے، تو زبان لکنت کرنے لگے گی۔ ظاہر ہے کہ ایسے حضرات جب تحقیق فرمائیں گے، تو بہ زورِ طبع سیاسی اور سماجی پس منظر پر وقف رہیں گے اور تاویل کے زور سے اُسی کو اصل چیز ثابت کرنا چاہیں گے اور یہی فن اپنے طلبہ کو سکھائیں گے۔

—— رشید حسن خاں

(بہ شکریہ اُردو ادب، دہلی، اپریل ۲۰۰۰ء)

کوائف نامہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

دادا: عالم شاہ[م:۱۹۶۹ء]

والد: محمد محبوب شاہ ہاشمی[م:۱۳جنوری ۱۹۹۸ء]

تاریخِ پیدائش: یکم محرم ۱۳۵۹ ہجری مطابق ۹رفروری ۱۹۴۰ء(سرکاری رکارڈ اور تعلیمی اسناد میں یکم اپریل ۱۹۴۲ء درج ہے)۔

مقامِ پیدائش: مصریال، تحصیل تلہ گنگ، ضلع اٹک[موجودہ ضلع چکوال]

تعلیم: ایم اے(اُردو)، اوّل بدرجہ اول: اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۱۹۶۶ء

پی ایچ ڈی: پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ۱۹۸۱ء[تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ]

صحافتی مصروفیات:

ریذیڈنٹ اڈیٹر: روزنامہ وفاق سرگودھا، ۱۹۶۴ء

مدیرِ معاون: ماہ نامہ تعمیرِ انسانیت لاہور، ۱۹۶۳ء-۱۹۶۴ء

وقائع نگار اور کالم نویس: روزنامہ وفاق لاہور، ۱۹۶۵ء-۱۹۶۶ء

مدیرِ معاون: ہفت روزہ آئین لاہور، ۱۹۶۵ء-۱۹۶۸ء

مدیرِ اعلیٰ: محور (طلبہ وطالبات کا ادبی میگزین) پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۱۹۶۶ء

مدیرِ معاون: ماہ نامہ سیارہ لاہور، ۱۹۶۸ء

مدیرِ معاون: ماہ نامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، ۱۹۶۸ء-۱۹۶۹ء

بانی مدیر: بازیافت ادبی تحقیقی مجلہ، شعبہ اردو یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور، ۲۰۰۲ء

تدریسی مصروفیات:

لیکچرر اردو: غزالی کالج، جھنگ، ۱۹۶۶ء-۱۹۶۷ء

: میونسپل ڈگری کالج، چشتیاں، ۱۹۶۷ء

: ایف سی کالج لاہور، ۱۹۶۷ء-۱۹۶۸ء

: انبالہ مسلم کالج سرگودھا، ۱۹۶۹ء-۱۹۷۰ء

گورنمنٹ کالج مری، ۱۹۷۰ء-۱۹۷۱ء

گورنمنٹ کالج سرگودھا، ۱۹۷۱ء-۱۹۷۶ء

اسسٹنٹ پروفیسر: گورنمنٹ کالج سرگودھا، ۱۹۷۶ء-۸/ستمبر ۱۹۸۰ء

گورنمنٹ کالج لاہور، ۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۲ء

لیکچرر: پنجاب یونی ورسٹی، اورینٹل کالج لاہور، ۹/ستمبر ۱۹۸۲ء تا ۴/اپریل ۱۹۸۷ء

اسسٹنٹ پروفیسر: ۴/اپریل ۱۹۸۷ء تا ۲۷ جون ۱۹۹۱ء

ایسوسی ایٹ پروفیسر: لاہور، ۲۷ جون ۱۹۹۱ء تا ۳۰ نومبر ۲۰۰۰ء

صدرِ شعبۂ اردو: یکم اپریل ۲۰۰۰ء تا ۱۳ جولائی ۲۰۰۱ء۔ (بوجہ خرابیِ صحت 'صدرِ شعبہ کے فرائض انجام دینے سے معذرت کر لی۔)

پروفیسر اُردو: یکم دسمبر ۲۰۰۰ء

وزٹنگ سکالر: دائتو بنکا یونی ورسٹی ٹوکیو، فروری، مارچ ۲۰۰۲ء

ملازمت سے سبک دوشی: ۳۱ مارچ ۲۰۰۲ء

وزٹنگ پروفیسر: پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور، یکم اپریل ۲۰۰۲ء-۱۵/جون ۲۰۰۴ء

ایچ ای سی ایمی ننٹ پروفیسر: شعبۂ اقبالیات' پنجاب یونی ورسٹی لاہور:
۱۸/اکتوبر ۲۰۰۶ء - ۱۷/اکتوبر ۲۰۰۸ء

مشیر علمی وادبی (اعزازی) اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۲۰۰۲ء تا حال

رفیق علمی (اعزازی) ادارہ معارفِ اسلامی لاہور، ۲۰۰۲ء تا حال

علمی وادبی اداروں سے وابستگی: (مختلف اوقات میں)

رُکن نمائش کتب کمیٹی: علامہ اقبال بین الاقوامی کانگریس' پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۱۹۷۷ء

تاحیات رُکن: اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۷۸ء تا حال

رُکن ہیئتِ حاکمہ: اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۹۹ء تا حال

رُکن مجلسِ منتظمہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۲۰۰۳ء تا حال

رُکن ہیئتِ حاکمہ بزمِ اقبال، لاہور، ۲۰۰۵ء-۲۰۰۸ء

رُکن مجلس انتظامیہ، دائرۂ معارفِ اقبال، شعبۂ اقبالیات، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

رُکن مجلس مشاورت، دائرۂ معارف اقبال، شعبۂ اقبالیات، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور
رُکن ہیئتِ حاکمہ مجلس ترقی ادب، لاہور، اپریل ۲۰۰۰ء- جولائی ۲۰۰۱ء، اور ۲۰۰۸ء تا حال
رُکن ادبی کمیٹی مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۸ء تا حال
رُکن قومی صدارتی اقبال اوارڈ کمیٹی، وفاقی حکومتِ پاکستان
رُکن: پاکستان رائٹرز گلڈ لاہور: حلقۂ اربابِ ذوق لاہور اور حلقۂ ادب لاہور
رُکن مجلسِ ادارت: اقبال ریویو، شش ماہی مجلہ اقبال اکیڈیمی حیدر آباد دکن
اقبالیات مجلہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور
رُکن مجلسِ مشاورت: ماہ نامہ سفید چھڑی سرگودھا
تحقیق، تحقیقی مجلہ شعبہ اردو، سندھ یونی ورسٹی جام شورو
جہات الاسلام، مجلہ فیکلٹی آف اسلامک لرننگ، جامعہ پنجاب، لاہور
معیار، مجلہ شعبۂ اردو بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد
ادبی مجلہ شبیہ، خوشاب
رُکن: اُردو بورڈ آف اسٹڈیز، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور ۱۹۷۸ء-۲۰۰۷ء
داخلہ کمیٹی برائے پی ایچ ڈی اقبالیات: علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد
مجلسِ نصاب: شعبۂ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد
فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز: علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد
بورڈ آف ایڈوانس اسٹڈیز اینڈ ریسرچ: علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد

اعزازات: ایم اے اُردو میں اوّل آنے پر گولڈ میڈل (پنجاب یونی ورسٹی، لاہور)، ۱۹۶۷ء اور تمغائے بابائے اُردو (انجمن ترقی اُردو، کراچی) ۱۹۶۷ء
اوّل انعام: مقابلہ مقالہ نویسی بسلسلہ صد سالہ یومِ ولادتِ اقبال، ۱۹۷۷ء
(زیرِ اہتمام: ثانوی تعلیمی بورڈ، سرگودھا) موضوع: علامہ اقبال اور احیائے اسلام
اوّل انعام: اساتذہ میں مقابلہ کتاب نویسی بسلسلہ صد سالہ یومِ ولادتِ اقبال، ۱۹۷۷ء
(زیرِ اہتمام: ثانوی تعلیمی بورڈ، سرگودھا) کتابیاتِ اقبال (۱۹۷۷ء)
خصوصی انعام: (ثانوی تعلیمی بورڈ، سرگودھا)
اصنافِ ادب (۱۹۸۰ء)......سرور اور فسانۂ عجائب (۱۹۸۰ء)

داؤد ادبی انعام برائے تحقیق و تنقید (پاکستان رائٹرز گلڈ):

تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ۱۹۸۲ء

نقوش اوارڈ: سفرنامۂ اندلس [پوشیدہ تری خاک میں......]، ۱۹۹۷ء

بیسٹ یونی ورسٹی ٹیچر اوارڈ (یو جی سی) ۲۰۰۱ء

قومی صدارتی اقبال اوارڈ: اقبالیات: تفہیم و تجزیہ، ۲۰۰۵ء

بین الاقوامی اقبال کانفرنسوں اور سیمی ناروں میں شرکت:

لاہور ۱۹۷۷ء......لاہور ۱۹۸۲ء......حیدر آباد دکن ۱۹۸۶ء......قرطبہ ۱۹۹۱ء

استنبول ۱۹۹۵ء......لاہور ۱۹۹۶ء......دہلی ۱۹۹۷ء......گینٹ (بلجیم) ۱۹۹۷ء

لاہور ۱۹۹۸ء......لاہور ۲۰۰۳ء......فیصل آباد ۲۰۰۵ء......کیمبرج ۲۰۰۸ء

تصانیف و تالیفات:

۱۔اقبال کی طویل نظمیں: گلوب پبلشرز، لاہور ۱۹۷۴ء

نظرِ ثانی اور اضافوں کے ساتھ: سنگِ میل لاہور، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۸ء، ۲۰۰۴ء

۲۔کتبِ اقبالیات: تاج بک ڈپو لاہور، ۱۹۷۵ء

۳۔سرور اور فسانۂ عجائب: سنگِ میل لاہور، ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۹۱ء، ۲۰۰۸ء

۴۔اصنافِ ادب: سنگِ میل لاہور ۱۹۷۶ء، ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۸ء، ۲۰۰۰ء، ۲۰۰۸ء

۵۔خطوطِ اقبال (مرتبہ): مکتبۂ خیابانِ ادب لاہور، ۱۹۷۶ء۔ دہلی، ۱۹۷۷ء

۶۔اقبال بحیثیت شاعر (مرتبہ): مجلسِ ترقیِ ادب لاہور، ۱۹۷۷ء، ۲۰۰۷ء علی گڑھ ۱۹۸۲ء، ۱۹۹۶ء

۷۔ کتابیاتِ اقبال: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

۸۔تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ: اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۲ء، ۲۰۰۱ء

۹۔ خطوطِ مودودی، جلد اوّل [شریک مرتب]: البدر پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۳ء

۱۰۔۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب: اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۶ء

۱۱۔۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب: اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۸ء

۱۲۔اقبال شناسی اور جرنل ریسرچ (مرتبہ): بزمِ اقبال لاہور، ۱۹۸۹ء

۱۳۔ اقبال شناسی اور محور (مرتبہ): بزمِ اقبال لاہور، ۱۹۸۹ء

۱۴۔اقبالیاتی جائزے: گلوب پبلشرز لاہور، ۱۹۹۰ء

۱۵۔علامہ اقبال،سوانح و منتخب کتابیات: مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد،۱۹۹۲ء
۱۶۔ اقبالیاتی ادب کے تین سال[۱۹۸۷ءتا۱۹۸۹ء]:الحرا پبلی کیشنز لاہور،۱۹۹۲ء
۱۷۔ علامہ اقبال اور سیرِ حجاز: بزمِ اقبال لاہور،۱۹۹۴ء
۱۸۔خطوطِ مودودی ،جلددوم[شریک مرتب]:منشورات لاہور،۱۹۹۵ء
۱۹۔تحقیقِ اقبالیات کے مآخذ:اقبال اکادمی پاکستان لاہور،۱۹۹۶ء
۲۰۔اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ،کوائف اور علمی خدمات:
پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور،۱۹۹۷ء
۲۱۔ارمغانِ علمی.....بپاسِ خدماتِ علمی وادبی ڈاکٹر وحید قریشی[شریک مرتب]:
القمر انٹر پرائزز لاہور،۱۹۹۸ء
۲۲۔خطباتِ رسول: منشورات،لاہور،۱۹۹۹ء
۲۳۔تصانیفِ مودودی[اشاعتی اور کتابیاتی مطالعہ]:ادارۂ معارف اسلامی لاہور،۱۹۹۹ء
۲۴۔مضامینِ فرحت اللّٰہ بیگ[انتخاب مع مقدمہ]:القمر انٹر پرائزز لاہور،۱۹۹۹ء
۲۵۔تفہیم و تجزیہ: کلیہ علومِ اسلامیہ وشرقیہ،جامعہ پنجاب لاہور،۱۹۹۹ء
۲۶۔پوشیدہ تری خاک میں...(سفرنامۂ اندلس):دارالتذکیر لاہور،۲۰۰۲ء
۲۷۔ارمغانِ شیرانی[شریک مرتب]: شعبۂ اُردو،پنجاب یونی ورسٹی لاہور،۲۰۰۲ء
۲۸۔اقبالیات کے سو سال[شریک مرتب]:اکادمی ادبیاتِ پاکستان اسلام آباد،۲۰۰۲ء
۲۹۔اقبالیات: تفہیم و تجزیہ:اقبال اکادمی پاکستان لاہور،۲۰۰۵ء
۳۰۔سید ابو الاعلیٰ مودودی علمی وفکری مطالعہ[شریک مرتب]:ادارۂ معارف اسلامی،لاہور،۲۰۰۶ء
۳۱۔......سورج کو ذرا دیکھ(سفرنامہ جاپان): کتاب سرائے لاہور؛۲۰۰۷ء
۳۲۔یاد نامہ سیّد اسعد گیلانی[مرتبہ]:ادارۂ معارف اسلامی لاہور؛۲۰۰۸ء
۳۳۔مکاتیبِ مُشفق خواجہ:ادارۂ مطبوعاتِ سلیمانی لاہور؛۲۰۰۸ء
۳۴۔علامہ اقبال: شخصیت اور فن:اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد؛۲۰۰۸ء
۳۵۔جامعات میں اردو تحقیق:ہائر ایجوکیشن کمیشن اسلام آباد؛۲۰۰۸ء
۳۶۔پاکستان میں اقبالیاتی ادب:اقبال اکادمی پاکستان لاہور،۲۰۰۹ء

زیرِ تالیف:

۱۔ توضیحی کتابیاتِ اقبال

۲۔ توقیتِ اقبال

بیرونِ ملک سفر:

❖ سعودی عرب	❖ سپین	❖ بلجیم
❖ فرانس	❖ جرمنی	❖ بھارت
❖ جاپان	❖ ترکی	❖ برطانیہ

[اس کوائف نامے کی ترتیب میں ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کی کتاب

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ــــ سوانح و کتابیات

مطبوعہ دسمبر ۲۰۰۵ء سے بھی مدد لی گئی ہے۔]



مکاتیب

[خط:۱]

T:C-9,Gwyer Hall,
Delhi University,
Delhi - 110007.

۲۰/مارچ ۱۹۸۴ء

محبِّ مکرم!

آپ کی کتاب ۱ اور آپ کا خط، دونوں چیزیں اب سے بہت پہلے موصول ہو گئی تھیں۔ آپ کی عنایت کا جس قدر شکر گزار ہوں، اُس سے کہیں زیادہ اپنی اِس کوتاہی پر شرمندہ اور معذرت طلب ہوں کہ جوابِ خط اور رسیدِ کتاب بروقت نہیں بھیج سکا۔ آپ نے یاد فرمایا، اِس کے لیے سراپا سپاس ہوں؛ اور جب اِس قدر عنایت کی ہے، تو اب یہ درخواست ہے کہ میری اِس ناشایستہ حرکت پر عُفو کی نظر ڈالتے ہوئے، آپ اخلاقِ کریمانہ سے کام لیجیے اور یاد کرتے رہیے۔ اچھے لوگوں کی تو سبھی قدر دانی کرتے ہیں، ایسے پُرتقصیر لوگوں کو اپنی وضع داری کی برکت سے محروم نہ رکھنے والے بھی تو کچھ افراد آخر ہونا چاہیے۔ [کذا]

صاحب! میں نے آپ کی اِس کتاب کو جی لگا کر اور نظر جما کر ازاوّل تا آخر پڑھا اور کسی طرح کے تکلّف کے بغیر یہ عرض کرتا ہوں کہ اِسے قدرِ اوّل کا کام پایا۔ آپ نے جُزئیات پر جس طرح توجّہ مبذول کی ہے اور اِس سلسلے میں جس اہتمام کو ملحوظ رکھا ہے، اب وہ کم یاب ہے۔ ایک خاص بات یہ بھی ہے متن کے تقابل کے سلسلے میں آپ نے املا کے متعلّقات پر پوری طرح توجّہ کی ہے، اور [یہ] پہلو ایسا ہے، جو اب تک محروم توجّہ رہا ہے۔ جس دیدہ ریزی اور باریک بینی کے ساتھ آپ نے ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، اور رموزِ اوقاف پر نظر ڈالی ہے، وہ ایک مثال کی حیثیت سے پیش کیے جانے کے قابل ہے۔ مثال کے طور پر ص ۳۴ پر ؑ اور ؓ کے اضافوں پر جس طرح آپ نے نظر رکھی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ "حسینؓ" اور "حسینؑ" میں بہت بڑا معنوی فرق ہے، جس کی طرف عام آدمی کی توجّہ عموماً مبذول نہیں ہو پاتی (بہت سے خواص کا بھی یہی احوال ہے) یا مثلاً ص ۴۹ پر املا سے متعلق جو بحث کی گئی ہے، وہ ہمارے مرتّبین کے پڑھنے کی چیز ہے۔ یا مثلاً ص ۵۱ پر جن چھوٹی چھوٹی جزئیات کی نشان دہی کی گئی ہے (مثلاً

''ناپائیدار'' اور ''ناپایدار'' یا دروازہ اور دروازے) اُن کی حیثیت جس قدر اہم ہے، اُسی قدر لوگ ان سے ناآشنا ہیں اور ان کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ یا مثلاً اسرار و رموز کے مختلف اڈیشنوں کا جس طرح تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور ایک ایک حرف اور حرکت اور علامت کا تعین کیا گیا ہے، اِس کی مثال آپ کی اِس کتاب سے پہلے مجھے تو کہیں ملتی نہیں۔ یا مثلاً ص ۲۳۸ پر ''محمدؐ اقبال'' اور ''محمد اقبال'' کے نازک فرق کو ملحوظ رکھنا۔

غرض کہ آپ کی یہ کتاب تدوین کے طلبہ کے لیے خاص حیثیت رکھتی ہے (اقبالیات کے ذخیرے میں اضافہ تو خیر ہے ہی) میں اگر اِس کتاب کے مطالعے سے محروم رہتا تو مجھے بڑا افسوس ہوتا۔ اِس پر تأسف ہے کہ اب تک کیوں نہیں اِسے پڑھ سکا تھا اور آپ کا بہ طور خاص ممنون ہوں کہ آپ کی کرم فرمائی نے مجھے اِس کے مطالعے کا موقع بخشا۔

مجھے آپ کی اُس تجویز سے مکمل اتفاق ہے جو ص ۲۷۵ پر آپ نے پیش کی ہے، لیکن اِس میں شک ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اِس کام کو انجام دینا پسند کرے گا! ۲ تحقیقی اور تدوینی کام یوں بھی بہت اچھے اب نہیں ہو پا رہے ہیں، اِس لیے کہ جس انہماک کی ضرورت ہوتی ہے اِن کے لیے، وہ عنقا ہو گیا ہے۔ لوگ ''کثیر المقاصد'' بنتے جا رہے ہیں، اور تحقیق شرک کو قبول کرتی نہیں۔ پھر بھی عرضِ تمنا کرتے رہنا چاہیے، شاید آ جائے کوئی آبلہ پا ___ میں تصوّف کے بہت خلاف ہوں، لیکن اِس میں ترکِ دُنیا کا جو تصوّر ہے، اُسے میں بہت عزیز رکھتا ہوں اور تحقیق کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری سمجھتا ہوں؛ مگر میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے!! ترقّی اُردو بورڈ کراچی نے جو لغت شائع کیا ہے، اُسے دیکھنے کے بعد میرا تو ایمان اُٹھ گیا ہے اب کارکردگی پر سے۔ اظہار (بمبئی) کے تازہ شمارے میں میں نے اِس کی پہلی جلد پر تبصرہ کیا ہے؛ یہ مختصر ہے، لیکن عبرت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے) ۳

بھائی! مجھے اپنا دعا گو سمجھیے اور اپنی کرم فرمائیوں سے محروم نہ رکھیے اور میری کوتاہی پر نہ جائیے، آپ کو اپنی معقولیت کی قسم! میں یہاں بہت سی الجھنوں میں گھرا رہتا ہوں، اُن کی تفصیل کیا عرض کروں۔

اور ہاں، یہ آپ ''ایڈیشن'' کیوں لکھتے ہیں؟ ''اِڈیشن'' لکھنا چاہیے۔ E کے لیے ''اِ'' کافی ہے۔ اگر A ہوتا، تب ''اے'' لکھتے۔ چوں کہ آپ صحتِ املا پر نظر رکھتے ہیں، اِس لیے یہ عرض کیا گیا۔ اِسے اعتراض نہ سمجھا جائے، محض عرضِ نیاز ہے۔ ۴

اگر میرے کرم فرما وحید قریشی صاحب ۵ سے ملاقات ہو تو میری طرف سے سلام نیاز ضرور پیش کر دیجیے گا۔ اُن کو بھی ایک خط لکھنا چاہتا ہوں، دِنوں سے ارادہ کر رہا ہوں۔ بھائی! اب اگر آپ اِس خط کے جواب میں خط نہیں لکھیں گے، تو میں یہ سمجھوں گا کہ آپ نے میری غیر مشروط معذرت قبول نہیں کی؛ جب کہ اہلِ کمال اور اربابِ اخلاق ایسے موقعوں پر درگذر سے کام لینا مناسب سمجھا کرتے ہیں۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔ مخلص

رشید حسن خاں

---

۱ تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور؛ طبع اوّل ۹ رنومبر ۱۹۸۲ء۔ یہ کتاب ڈاکٹر ہاشمی کا تحقیقی مقالہ ہے جو ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں لکھا گیا اور ۱۹۸۱ء میں جس پر جامعۂ پنجاب، لاہور نے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

۲ ہاشمی صاحب نے کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی تجویز پیش کی تھی؛ اُنھوں نے لکھا تھا کہ:
''مکاتیبِ اقبال کا ایک مجموعہ ایسا بھی تیار ہونا چاہیے جس میں اقبال کے تمام خطوط تاریخِ تحریر کے مطابق مرتب کیے گئے ہوں (یا کم از کم ایک اشاریہ ہی مرتب کر دیا جائے)۔'' [تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ: ص ۲۷۵] ہاشمی صاحب نے اس سے قبل خطوطِ اقبال (۱۹۷۶ء) میں بھی یہی تجویز پیش کی تھی۔ بعد میں مظفر حسین برنی نے چار جلدوں میں کلیاتِ مکاتیبِ اقبال مرتب و شائع کی (حصہ اول ۱۹۸۹ء، میں شائع ہوا) مگر اُنھوں نے کہیں بھی ہاشمی صاحب کی متذکرہ تجویز کا ذکر نہیں کیا۔

۳ یہ تبصرہ بعدازاں ان کے مجموعۂ مضامین تفہیم :مکتبۂ جامعہ، دہلی؛ ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔

۴ خاں صاحب نے بعض انگریزی الفاظ کی جو تحریری صورتیں متعین کی ہیں، اکثر اہلِ علم ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ایڈیشن کا لفظ بھی ان میں شامل ہے۔ تاہم ہاشمی صاحب نے خاں صاحب کا، دلیل پر مبنی مشورہ قبول کر لیا اور اب وہ اسے اِڈیشن ہی لکھتے ہیں۔

۵ نامور محقق، نقاد اور اُردو، فارسی، تاریخ اور پنجابی کے اُستاد۔ اصل نام عبدالوحید ۱۴ ر فروری ۱۹۲۵ء کو میانوالی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں ایم اے (فارسی)، ۱۹۵۰ء میں ایم اے (تاریخ)، ۱۹۵۲ء میں پی ایچ ڈی (فارسی) اور ۱۹۶۵ء میں ڈی لٹ (اُردو) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ کئی کالجوں میں اُردو، تاریخ، فارسی اور پنجابی کی تدریس کے فرائض انجام دیے۔ جامعہ پنجاب لاہور میں پروفیسر، صدر شعبۂ اُردو اور پنجابی، غالب پروفیسر، اورینٹل کالج کے پرنسپل اور ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ رہے۔ کئی اعزازات اور

انعامات سے نوازے گئے۔ ۱۹۹۳ء میں اُنھیں تمغائے حسنِ کارکردگی سے نوازا گیا۔ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد اور دیگر اداروں سے بہ طور صدر نشین، بزمِ اقبال لاہور سے بہ طور اعزازی معتمد اور اقبال اکادمی پاکستان، لاہور سے بہ طور ناظم وابستہ رہے۔ ان دنوں مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور کے ناظم اور قائدِ اعظم لائبریری، لاہور کے علمی و ادبی مجلّے مخزن کے مدیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اُردو نثر کے میلانات، اقبال اور پاکستانی قومیت، اساسیاتِ اقبال، جدیدیت کی تلاش میں، مقالاتِ تحقیق، پاکستان کی نظریاتی بنیادیں جیسی وقیع اور سنجیدہ تحقیقی وتنقیدی کتابوں کے علاوہ نقدِ جاں اور الواح کے نام سے اُن کے شعری مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔

☆☆☆

Racheed Hasan Khan
T:C-9, Gwyer Hall
Delhi University
Delhi-110007

محبِ مکرم!

خط آپ کا مل گیا۔ شکریہ۔ اُس دن واقعی آپ کا دیر تک انتظار رہا۔
میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی بات ہے ضرور، ورنہ آپ ضرور آتے۔ آخر آپ نے یہ کیا طور
مجاہدۂ نفس کیوں اختیار کر رکھا ہے؟ محنت کا یہ انداز ہے۔ ویسے ہی تو آپ
[illegible] بالکل ضد نظر آتے ہیں۔ بہرحال ذرا صحت کی طرف بھی توجہ کیجیے۔

بھیج دیا "سیمینار" (سہ ماہی [illegible]) ہے۔

سہیل بخاری صاحب کے پاس سے اگر کچھ اطلاع ملی ہو تو مطلع فرمائیے۔ منتظر رہوں گا۔ جیسا کہ [illegible]
مکاتیب اُس نسخے کا آخری صفحہ [illegible] ہے، جس میں [illegible] کا پیش لفظ ہے۔
[illegible] انگریزی [illegible] ہے۔ [illegible] اُس میں اس پیش لفظ کا صرف ایک صفحہ ہے۔ باقی صفحے
(دو یا تین، اندازاً) غائب ہیں۔ آپ سے بہت سی باتیں نہ کر پانے کا واقعی افسوس ہے۔
دیکھیے اس کی تلافی کی صورت کب نکلتی ہے۔

خدا کرے اب آپ ہر وجہ سے عافیت سے ہوں

مخلص
رشید حسن
[illegible] اگست [illegible]

[خط: ۲]

Rasheed Hasan Khan
T:C-9,Gwyer Hall,
Delhi University,
Delhi - 110007.

۶ راگست ۱۹۸۷ء

مُحبِّ مکرم!

خط آپ کا مل گیا، شکریہ۔ اُس دن واقعی آپ کا دیر تک انتظار رہا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ کوئی بات ہے ضرور، ورنہ آپ لازماً آتے۔ [1] آخر آپ نے اِس قدر مجاہدۂ نفس کیوں اختیار کر رکھا ہے کہ صحت کا یہ احوال ہے۔ ویسے بھی آپ مولوی اور صوفی کی بالکل ضد نظر آتے ہیں۔ بھائی! ذرا صحت کی طرف توجہ کیجیے۔ صحیح املا ''سمینار'' (س م ی ن ا ر) ہے۔

سہیل بخاری صاحب [2] کے یہاں سے اگر کچھ اطلاع ملی ہو تو مطلع فرمایئے، چشم براہ [کذا] ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا، مجھے صرف اُس نسخے کے آخری صفحوں کے عکس کی ضرورت ہے، جن میں گل کرسٹ کا پیش لفظ ہے۔ یہ انگریزی میں ہے۔ میرے پاس جو نسخہ ہے، اُس میں اس پیش لفظ کا صرف ایک صفحہ ہے، باقی صفحے (دو یا تین اندازاً) غائب ہیں۔ [3]

آپ سے بہت سی باتیں نہ کر پانے کا واقعی افسوس ہے۔ دیکھیے اِس کی تلافی کی صورت کب نکلتی ہے۔ خدا کرے اب آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

---

۱ خاں صاحب ۱۹۸۷ء میں بھی پاکستان تشریف لائے؛ دورۂ لاہور میں وہ جاوید طفیل مدیر نقوش کے ہاں نیو مسلم ٹاؤن میں ٹھہرے۔ ہاشمی صاحب متعدد بار اُن سے ملے، آخری ملاقات میں اُنھوں نے خاں صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ اُن کی روانگی سے قبل ایک الوداعی ملاقات ہو گی مگر کسی وجہ سے یہ وعدہ پورا نہ ہو سکا۔ خط میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۲ اصل نام سیّد محمود نقوی ہے۔ ۶ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو سرائے شیخ ضلع مین پوری (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں ناگ پور یونی ورسٹی سے ایم اے (اُردو) اور ۱۹۶۳ء میں جامعۂ پنجاب، لاہور سے پی ایچ ڈی (اُردو) کی ڈگری حاصل کی۔ پی اے ایف اسٹیشن سکول، لاہور اور پی اے ایف کالج، سرگودھا سے بطور استادِ اُردو وابستہ رہے۔ سبک دوشی کے بعد مستقلاً کراچی چلے گئے۔ ترقی اُردو بورڈ، کراچی کے لغتِ کلاں میں شریک مُدیر رہے۔ تصانیف میں ناول نگاری، سب رس پر ایک نظر، غالب کے سات رنگ، باغ و بہار پر ایک نظر، اُردو کا روپ، اقبال مجددِ عصر، تصورِ الوہیت، اُردو کا اشتقاقی لغت اور ہندی شاعری میں مسلمانوں کا حصّہ زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

۳ باغ و بہار کی تدوین کے سلسلے میں خاں صاحب کو فورٹ ولیم کالج سے نستعلیق ٹائپ میں مطبوعہ نسخۂ گل کرسٹ (۱۸۰۲ء) کی تلاش تھی۔ اس کا ایک نسخہ ہاشمی صاحب نے ڈاکٹر سہیل بُخاری کے ہاں سرگودھا میں دیکھا تھا۔ خاں صاحب کو بتایا تو اُنھوں نے مذکورہ نسخے کے آخری صفحوں کے عکس مہیا کرنے کی فرمائش کی، مگر اسی اثنا میں ڈاکٹر صاحب پی اے ایف کالج، سرگودھا سے سبک دوشی کے بعد مستقلاً کراچی جا بسے تھے اور دورانِ نقلِ مکانی وہ نسخہ کہیں ضائع ہوگیا۔ خاں صاحب کو یہ نسخہ بعد میں بھارت کے کسی کتب خانے سے دست یاب ہوگیا تھا۔

☆☆☆

[خط:۳]

Rasheed Hasan Khan
T:C-9,Gwyer Hall,
Delhi University,Delhi-110007.

۳ر جولائی ۱۹۸۹ء

حضورِ والا!

آپ کہاں ہیں؟ کچھ خیر خبر نہیں ملی ہے دنوں سے۔

ایک صاحب اُدھر جا رہے ہیں، اپنی پریشاں نگاریوں کا مجموعہ ۱ آپ کے لیے بھیج رہا ہوں۔ کچھ وقت خراب کر ہی ڈالیے۔ ایک کتاب تحسین فراقی صاحب ۲ کے لیے ہے۔ میری خاطر زحمت گوارا فرما کر یہ کسی طرح اُن تک پہنچوا دیجیے۔ اگر آپ اِس کتاب کی رسید بھیج دیں گے، تو مجھے اطمینان ہو جائے گا کہ کتاب آپ تک پہنچ گئی۔

ایک بات اور: میں نے اکرام چغتائی صاحب ۳ کے لیے ایک کتاب بھیجی تھی (ایک بچّی شیما مجید ۴ کے ہاتھ) پھر ایک خط ڈاک سے بھیجا؛ کسی کا جواب نہیں ملا۔ کیا وہ آج کل وہاں موجود نہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی طرح اُن تک میری شکایت پہنچا دیں، اگر وہ وہاں موجود ہوں۔ اِس بہانے آپ اپنی خیریت سے بھی مجھے مطلع کر دیں گے یعنی بیک [کذا] کرشمہ دو کار۔

مخلص

رشید حسن خاں

---

۱ اس سے خاں صاحب کا مجموعۂ مضامین تلاش و تعبیر مراد ہے جو ۱۹۸۸ء میں انجمن ترقّی اُردو ہند، نئی دہلی سے شائع ہوا۔ اس پر ہاشمی صاحب کا تبصرہ سیارہ، لاہور (دسمبر ۱۹۹۱ء) میں شائع ہوا۔

۲ محقق، نقاد اور ادبیاتِ اُردو کے نام ور استاد۔ اصل نام منظور اختر ہے۔ ۱۷ر ستمبر ۱۹۵۰ء کو بصیر پور ضلع ساہی وال میں پیدا ہوئے۔ ایم اے (اُردو) اور ایم ایڈ کے امتحانات جامعہ پنجاب سے پاس کیے۔ ۱۹۸۶ء میں عبدالماجد دریا بادی: احوال و آثار کے موضوع پر مقالہ لکھ کر جامعہ پنجاب سے ڈاکٹریٹ کی

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے لیے

رشید

۷ جولائی ۷۹ء

RASHEED HASAN KHAN
T : C–9 Gwyer Hall,
Delhi Univercity DELHI–110007

تلاش و تعبیر

رشید حسن خاں

ڈگری حاصل کی۔۱۹۸۲ء سے اورینٹل کالج، لاہور میں بہ حیثیت استاذ اُردو زبان و ادب کام کر رہے ہیں۔تین برس تک تہران یونی ورسٹی میں اُردو زبان و ادب کے مہمان استاد کے طور پر تدریسی خدمات انجام دیں۔آج کل صدر شعبہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔آپ نے کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں؛ جن میں جستجو، عجائباتِ فرنگ، عبدالماجد دریا بادی: احوال و آثار، نقدِ اقبال: حیاتِ اقبال میں، اقبال: چند نئے مباحث، مطالعۂ بیدل فکرِ برگساں کی روشنی میں، مغربی جمہوریت اہلِ مغرب کی نظر میں شامل ہیں۔ نقشِ اوّل ان کا شعری مجموعہ ہے۔

۳ نام وَر محقق، مدوّن اور مرتب۔اصل نام محمد اکرام چغتائی ہے۔۲۲؍اکتوبر ۱۹۴۱ء کو محمد رمضان کے گھر سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔۱۹۶۴ء میں جامعہ پنجاب سے ایم اے (اُردو) کی ڈگری حاصل کی۔ایک طویل عرصہ اُردو سائنس بورڈ کی ملازمت میں گزارا۔کئی کتابوں کے مصنف و مرتب ہیں۔شاہانِ اودھ کے کتب خانے، آثارِ البیرونی، فکلر دہلوی، انگریزی اُردو لغت از فیلن [ترتیب] خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

۴ کئی کتابوں کی مرتب اور مؤلف۔۳۱؍مارچ ۱۹۶۳ء کو ایس اے مجید کے گھر لاہور میں پیدا ہوئیں۔گورنمنٹ کالج برائے خواتین، لاہور سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ان کی چند تالیفات و مرتبات یہ ہیں: اقبال از فیض احمد فیض (ترتیب)، مقالاتِ ڈار (ترتیب)، مقالاتِ چغتائی (ترتیب)، فنِ مصوّری پر منتخب مضامین (انتخاب)، لسانی مذاکرات [۱۹۵۸ء تا ۱۹۸۷ء] وغیرہ۔

☆☆☆

[خط:۴]

۲۵ر ستمبر ۱۹۹۲ء

ہاشمی صاحب مکرم!

سلامِ مسنون۔ لفافہ ملا۔ تصویریں واقعی بہت اچھی ہیں۔ ا اِس لطفِ خاص کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ایک معاملے میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ میری غفلت کی بنا پر وہ نقل گم ہوگئی۔ بہت تلاش کیا اُسے، ملی نہیں۔ اِس کا مجھے بہت افسوس ہے اور اِس سلسلے میں آپ جو سزا تجویز کریں گے، میں اُسے بہ خوشی قبول کرلوں گا۔ ۲

ایک صورت اس کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ مختلف ذیلی عنوانات تجویز کر کے ایک پرچے پر لکھ دیں اور مجھے بھیج دیں اور میں فی الفور، ذرا سی بھی تاخیر کے بغیر ان عنوانات کے تحت اپنے خیالات نسبتاً تفصیل کے ساتھ لکھ کر بھیج دوں۔ یہ ایک طرح کا انٹرویو ہو جائے گا اور اس کا بدل۔ از راہِ لطف میری معذرت قبول فرمایئے اور مژدۂ قبولیت سے مجھے بھی اطلاع بخشیے۔

اور ہاں، وہ فسانۂ عجائب اور باغ و بہار پر آپ نے ایک تعارفی تحریر لکھنے کا وعدہ کیا تھا، وہ اگر ایفا ہو جائے تو تو [''تو'' دوسری بار سہواً لکھا گیا] ممنون ہوں گا۔ اُسے آپ سیارہ ۳ میں یا کہیں اور دے سکتے ہیں۔ ۴

آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

ا رشید حسن خاں کی لاہور آمد پر ۲۲ر اپریل کو شعبۂ اُردو جامعہ پنجاب نے سینٹ ہال میں اُن کے لیکچر کا اہتمام کیا، بعد ازاں اورینٹل کالج میں چائے کی نشست ہوئی۔ یہ تصویریں انھی موقعوں کی تھیں۔

۲ جامعۂ پنجاب کے سینٹ ہال میں خاں صاحب نے اُردو تحقیق کے موضوع پر جو لیکچر دیا تھا، وہ فیتہ بند کرلیا گیا

تھا بعد میں اُسے صفحۂ قرطاس پر تحریر کر کے نظرِ ثانی کے لیے خاں صاحب کو بھجوایا گیا۔ افسوس! کہ وہ اوراق خاں صاحب سے کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے۔

۳ حلقۂ ادبِ اسلامی کا ترجمان سہ ماہی علمی و ادبی جریدہ۔ بانی مدیر: نعیم صدّیقی، اجرا: ۱۹۶۳ء۔ موجودہ مدیر: جناب حفیظ الرحمٰن احسنؔ۔

۴ باغ و بہار اور فسانۂ عجائب پر ہاشمی صاحب کا تبصرہ سیّارہ جنوری ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔

☆☆☆

[خط:۵]

۴ر دسمبر ۱۹۹۲ء

مُحبِّ مکرّم ! سلامِ مسنون۔

سیّارہ کے حالیہ شمارے میں اقبالیات سے متعلّق مطبوعات پر آپ کا مضمون پڑھا۔ ۱ میں نے پہلے بھی مختصر سا ایک خط اِس سلسلے میں آپ کو لکھا تھا، جو غالباً محفوظ نہیں رہ سکا آپ کے پاس۔ ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ سے مکمّل اتفاق ہے کہ اقبال اکادمی پاکستان نے اردو فارسی کلّیات جو شائع کیے ہیں "کلامِ اقبال کے ایسے دیدہ زیب اِڈیشن کبھی شائع نہیں ہوئے۔" دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا دیدہ زیبی، صحتِ متن اور معیارِ تدوین کا بدل ہو سکتی ہے؟ آپ سے یوں پوچھ رہا ہوں کہ میری نظر میں اِس وقت اِس معاملے میں جس دقّتِ نظر سے آپ کام لیتے ہیں، دوسروں کے یہاں وہ انداز نہیں پایا جاتا۔ میں کسی اور سے یہ سوال کرتا بھی نہیں۔ آپ کو مخاطبِ صحیح مانتا ہوں، یوں پوچھ رہا ہوں۔

پہلے یہ عرض کر دوں کہ اِس سوال کو میرے ذہن میں ایک دل چسپ واقعے نے اُبھارا۔ مجلّہ "اقدار" (کراچی) کے اڈیٹر شبنم رومانی صاحب ۲ میرے ہم وطن بھی ہیں (یا تھے) اور دوست بھی۔ میں نے اُن کو ایک ذاتی خط لکھا تھا اِنھی دونوں کتابوں کے سلسلے میں۔ فارسی کلام کے مجموعے سے متعلّق میں نے یہ لکھا تھا کہ اِس کی تو بسم اللہ ہی غلط ہوئی ہے، اقبال کے مشہور قطعے کا تیسرا مصرع اِس طرح چھپا ہوا ہے: "سر آمد روز گاری این فقیری" ________ اِس میں "روزگاری" تو قطعی طور پر غلط ہے۔ [چوتھا مصرع یوں ہے: "دگر دانایے راز آید کہ ناید" ___ اِس میں "دانایے" بھی قطعی طور پر غلط ہے۔ یہاں یاے وحدت یا یاے تنکیر کا محل نہیں، ایک یاے اضافت کا محل ہے، یعنی "داناے راز"] اُنھوں نے اُس خط کو چھاپنا چاہا (میرے منع کرنے کے باوجود) اور کتابت کرا کے تصحیح کے لیے میرے پاس بھیجا۔ میں نے اُس کتابت کو رکھ لیا، واپس نہیں کیا؛ لیکن یہ خیال آیا کہ میں نے صفحہ نمبر نہیں لکھا، صفحہ نمبر تو ضرور لکھنا چاہیے تھا۔ اب جو کلّیات

فارسی والی جلد اُٹھا کر دیکھتا ہوں تو وہ قطعہ آغاز میں ملتا ہی نہیں جس کا یہ مصرع ہے۔ کئی بار ورق گردانی کی نہیں نظر آیا۔ سخت حیران اور اُس سے زیادہ پریشان ہوا۔ میری یادداشت اب ایسی بھی خراب نہیں کہ ایسی غلطی ہو۔ کئی دن تک پریشاں خاطر رہا۔ بار بار کتاب اُٹھاتا تھا اور رکھ دیتا تھا، سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔

حُسنِ اتفاق سے میرے پاس کلیاتِ فارسی کے دو نسخے ہیں۔ ایک دن ایک خیال کے تحت میں نے اُس دوسرے نسخے کو اُٹھالیا، اُس کو کھولا تو صفحہ ۴ پر یہ قطعہ موجود تھا۔ اب میں نے اِن دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا۔ معلوم ہوا کہ شروع کے صفحات دونوں نسخوں میں باہم مختلف ہیں۔ اب صحیح معنی میں حیرت ہوئی۔ میں پوری کتاب کا مقابلہ نہیں کر سکا، لیکن شروع کے اوراق کا احوال یہ ہے کہ ایک نسخے میں پہلے صفحے پر:

کلیات اقبال

فارسی

اقبالؒ

اور دوسرے نسخے کے پہلے صفحے پر:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلیات اقبال

فارسی

ہے۔ دوسرا صفحہ بھی مکمل طور پر بدلا ہوا ہے۔ یہاں تک [کہ] ایک پر قیمت 350 ہے اور دوسرے پر چیپی لگا کر 500 لکھی گئی ہے۔ ایک نسخے پر پروفیسر محمد منور ۳ کا ''مقدمہ'' ہے اور جاوید اقبال ۴ کے نام سے ''پیش گفتار''۔ دوسرے نسخے میں یہ دونوں چیزیں غائب ہیں۔ ان کی جگہ ''خراجِ عقیدت'' کے عنوان سے مختلف اقتباسات ہیں۔

ایک نسخے میں ص ۵ پر ''حسنِ اہتمام'' کی سرخی کے تحت ۱۴ [چودہ] نام مندرج ہیں۔ دوسرے نسخے میں اسی صفحے پر عنوان ''مجلس تدوین و طباعت'' ہے اور اس میں ''سرپرست'' کی ذیلی سرخی کے ساتھ جاوید اقبال کا نام ہے، جب کہ اُس نسخے میں یہ نام موجود نہیں۔ دونوں نسخوں کے اِس صفحے میں ناموں کا بھی فرق ہے اور ترتیب کا بھی۔ ایک نسخے میں محمد سہیل عمر کو ''مدیرِ تدوین'' لکھا گیا ہے اور دوسرے نسخے میں ''مدیرِ مسئول''۔ (کیا آپ بھی اِن دونوں لفظوں کو ہم

معنی خیال کرتے ہیں؟) غرض کہ بہت اختلافات ہیں ان ۱۴ [چودہ] صفحوں [ناموں] میں۔ باقی کتاب کا احوال کیا ہے، میں نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ ابھی تک مقابلہ نہیں کر سکا ہوں۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں بہ الفاظِ سودا: ظالم! اِسے کیا کہتے ہیں؟ ۵

ہاں ص ۴ پر ایک نسخے میں اقبال کے دو قطعے ہیں: (۱) ''بان رازی کہ گفتم........، (۲) سرودِ رفتہ باز آید..........''۔ دوسرے نسخے میں ص ۴ پر اِن کے بجائے [کذا] ایک فارسی عبارت ہے جو یہاں سے شروع ہوتی ہے: ''ہنگام دیدار جناب حجۃ الاسلام دکتر سیّد محمد خاتمی وزیر محترم..........''۔ پہلے نسخے میں اِن وزیرِ محترم کا نام کہیں نہیں ملتا۔

یہ تو ایک بات ہوئی۔ اب دوسری داستان شروع ہوتی ہے جو اِس سے بھی زیادہ پریشان کُن ہے اور اُس کا تعلّق الفاظ کی صورت نگاری سے ہے۔ کہیں تو جدید ایرانی طرزِ نگارش اختیار کیا گیا ہے اور کہیں وہ طرزِ املا جو ہندستانی فارسی کا تھا اور ہے اور مصنف کا بھی وہی املا ہے۔ اِس سے عجیب صورت پیدا ہوگئی ہے۔ میں ایک مثال سے اِس کی وضاحت کروں گا۔ درج ذیل مصرعوں کو دیکھیے:

(۱)	شعلہ‌ی او پردہ بند از دودِ خویش	ص ۱۴۲
	دوش و فردا زادہ‌ی امروز او	ص ۱۴۳
(۲)	دیدہ‌ئی آغازم انجامم نگر	ص ۱۷۶
	این چہ حیرت خانہ‌ئی امروز و فردا ساختی	ص ۳۰۰
(۳)	پنجۂ مژگان او گیراستی	ص ۱۶۱
	بندۂ حق بندۂ اسباب نیست	ص ۱۶۴

ایک ہی طرح کے الفاظ، یعنی ہاے مختفی پر ختم ہونے والے لفظوں (شعلہ، زادہ، دیدہ، خانہ، پنجہ، بندہ) کی اضافت کے لیے تین مختلف انداز اختیار کیے گئے ہیں۔

ایسے ہی لفظوں کے آخر میں یاے وحدت کے لیے دو انداز ملتے ہیں:

ماہی بچہ‌ئی شوخ بہ شاہین بچہ‌ئی گفت	ص ۲۷۱
خوش آنکہ رخت سفر را بشعلۂ می سوخت	ص ۳۰۰

یہ مجموعہ دو رنگی کتابت بل کہ رنگا رنگی کتابت کا بے طرح اور بُری طرح شکار ہوا ہے۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاید منصوبہ بندی میں قطعیت اور مکمل وضاحت شامل نہیں تھی۔ مثلاً

کہیں ''غلتہ'' ملے گا اور کہیں ''غلطہ''۔(تغلطہ ہوا جز کہ بر سبزہ زاری ص ۲۷۰)۔''است'' کے الف کے سلسلے میں بھی یہی دو رنگی ملتی ہے۔اکثر جگہ مع الف، مگر اس کے خلاف بھی ہے، مثلاً: خورداست، بودست (ص ۳۳۲)۔انگیزست، تیزاست (ص ۳۵۸)۔

ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یاے معروف و مجہول اور نون غنّہ کے سلسلے میں جدید ایرانی تلفّظ کی پیروی بہ طورِ عموم کی گئی ہے، جب کہ ہندستان معروف و مجہول آوازوں کا امتیاز آج تک باقی ہے۔مگر اس سے قطعِ نظر اصل مسئلہ یہ ہے کہ خود مصنّف کا طریقِ نگارش ہمارے سامنے ہے۔ اِسی مجموعے میں جگہ جگہ اقبال کے قلم سے لکھی گئی چیزیں بھی بہ صورتِ عکس شامل کی گئی ہیں، اُنھیں دیکھ لیا جائے۔اقبال نے ہر جگہ اِس کا لحاظ رکھا ہے اور پابندی کی ہے۔مثلاً یاے وحدت و تنکیر کو ہر جگہ بہ صورتِ یاے مجہول لکھا ہے۔محض بہ طورِ مثال ص ۲۰۴ پر تحریرِ اقبال کا عکس، جس میں یہ مصرعے ہیں:

مرا اے تازہ پرواز آفریدند
دمے از زندگی تاب و تمم بخش
مسلماناں مرا حرفے است در دل
کہ ایں سرّے ز اسرارِ خلیل است

اُن کے زمانے کے چھپے ہوئے جو مجموعے ہیں، اُن میں بھی یہی صورت ملتی ہے۔یہ بات بحث طلب تھی، مگر اِس سے صرفِ نظر کو روا رکھا گیا۔

پھر مشکل یہ ہے کہ اس کی بھی مکمل پابندی نہیں ملتی۔ان مصرعوں کو دیکھیے:

جولانگہے بوادی کوہ و کمر بدہ ص ۳۵۴
ولی از ما نباید بے خبر رفت ص ۳۳۸
بخود باز آو دامان دلے گیر
درون سینۂ خود منزلی گیر ص ۴۳۶
جوانے اصیلی کہ در روز جنگ ص ۲۶۰
بے نیازی ناز ہا دارد جبی
ناز او انداز ہا دارد بسے ص ۱۶۵
از نجوم دیگران تابے مخر ص ۱۶۷

صد ملال از ملیحۂ انگیختی ص ۱۶۳

شنیدم کوبکی با کوبکے گفت ص ۲۵۳

صدائے ماہی آمد از تہ بحر ص ۲۶۴

آہوے تا تارِ من " " "

اب تک یہاں یہ قاعدہ ہے کہ مثلاً فقیرے اور فقیری کی خواندگی میں کتابت پر تلفظ کی بنیاد ہوتی ہے، ایران میں جو بھی ہوتا ہو، یہاں کا آدمی ''فقیری'' کو ''فقیرے'' اور ''فقیرے'' کو ''فقیری'' نہیں پڑھ سکتا۔ اغلاطِ کتابت بھی موجود ہیں۔ مثلاً ص ۲۶۸ پر ''محاورۂ مابین خدا و انسان''۔ یہاں ''محاورہ'' صحیح ہے۔ ہمزۂ اضافت نے آ کر یاے وحدت کا مفہوم بھی شامل کر دیا، یا مثلاً ص ۲۶۵ پر ''تیز ترک گام زن'' کی جگہ صرف ''ترک گام زن'' ہے (وغیرہ)۔

ایک مسئلہ تو اِن سب سے بڑا اور اہم ہے اور وہ دراصل اصولِ تدوین سے تعلق رکھتا ہے۔ مرتّبین نے یہ کہیں بھی نہیں بتایا کہ اُنھوں نے جو متن مرتّب کیا ہے، وہ کن نسخوں پر مبنی ہے، حالاں کہ یہ بنیادی بات تھی۔ تحقیق کا معمولی طالبِ علم بھی جانتا ہے کہ جب تک اصل مآخذ کی نشان دہی نہ کی جائے، کوئی بات قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ میں شروع میں لکھ چکا ہوں کہ ایک نسخے میں مقدمہ بھی شامل ہے (دوسرے نسخے میں وہ موجود نہیں) اُس میں ایک جگہ یہ لکھا گیا ہے: ''انور جاوید صاحب نے پروف خوانی اور ترتیب و تدوین کے علاوہ کئی مسائل کو حل کرنے کے لیے علامہؒ کے کلام کے سابقہ اڈیشنوں اور بیاضوں کے مخطوطوں سے رجوع کیا''۔ اِس صورت میں یہ بتانا لازم ہو گیا تھا کہ اُن سابقہ اڈیشنوں اور بیاضوں میں اور اِس نسخے میں اختلافِ نسخ ہے کہ نہیں اور ہے تو اُس کی صورت کیا ہے؟ مجھے حیرت اور بہت حیرت ہے کہ اِس قدر بڑے منصوبے کے تیار کرنے والوں نے اصل بات یعنی اصولِ تدوین کو پیشِ نظر رکھنا قطعاً ضروری نہیں سمجھا۔ اس، منقولہ عبارت سے صاف طور پر مترشح ہوتا ہے کہ صرف ایک صاحب نے پروف خوانی سے لے کر تصحیحِ متن تک کے سارے مراحل طے کیے۔ تعجب ہے اور بہت!!! اور پھر دوسرے نسخے میں اِس ناتمام مقدمے کو بھی تو شامل نہیں کیا گیا۔

جا بہ جا اقبال کی تحریروں کے عکس شامل کیے گئے ہیں، یہ بہت عمدہ بات ہے اور ضروری بھی؛ مگر یہ وضاحت لازم تھی کہ بس اِتنے ہی عکس مِل سکے یا یہ کہ اقبال کی بس اتنی ہی تحریریں موجود اور محفوظ ہیں۔ اگر اس کے خلاف ہے، تو یہ بتانا تھا کہ صرف انھی کا انتخاب کیوں کیا گیا۔

اب پڑھنے والا کچھ معلوم نہیں کر سکتا ـــــ کیا اتنے بڑے منصوبے کے لیے جو ادارہ بنایا گیا اور جس میں آدمیوں کی کمی نہیں، ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو مفصل مقدمہ لکھ سکتا اور اصولِ تدوین کے مطابق طریقِ کار کی تفصیلات پیش کر سکتا؟ یا یہ کہ مفصل حواشی مرتب کر سکتا؟ جس کی اشد ضرورت تھی۔ مقدمے اور حواشی کے بغیر یہ سارا کام دیدہ زیب جس قدر بھی ہو، اعتبار سے محروم ہے اور متن اگر قابلِ اعتبار نہیں، تو پھر سب کچھ بے کار ہے۔ اعتبار ہو کیسے، جب پڑھنے والے کو معلوم ہی نہ ہو کہ متن کو مرتب کس طرح کیا گیا ہے، کن نسخوں سے کام لیا گیا ہے، کتنی خطی تحریروں کو سامنے رکھا گیا ہے اور اختلافِ متن کی صورت میں کیا طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے۔ اب یہ نمائشی چیز تو ہے مگر علمی کام نہیں۔ عین ممکن ہے کہ متن صحیح ہو، مگر یہ بات قاری کو کیسے معلوم ہو گی؟ تحقیق اور تدوین کے جو اصول بنائے گئے ہیں، وہ بے وجہ تو نہیں بنائے گئے اور فضول کام کرنے والوں نے تو نہیں بنائے۔ حافظ محمود شیرانی، مولانا عرشی، قاضی عبدالودود اور مولوی محمد شفیع، ۶ جیسے لوگ کیا ایسی باتوں پر اصرار کر کے محض جھک مارتے رہے تھے؟

ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ مجموعۂ کلام فارسی صرف ایرانیوں کے لیے مرتب کیا گیا ہے؟ جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ ایک نسخے میں ایک مقدمہ بھی شامل ہے، اُس میں یہ عبارت بھی ہے: ''یہ نسخہ وزارتِ ارشادِ اسلامی جمہوری ایران کی مختلف التوع اعانت کے بغیر منصۂ شہود پر نہیں آ سکتا تھا'' (ص ۱۲)۔ ''مختلف التوع اعانت'' کی وضاحت تو کی نہیں گئی، اِس صورت میں اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ اِس میں مالی تعاون بھی شامل تھا، تو اُسے بدگمانی کا گناہ گار نہیں سمجھنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ اگر یہ خیال بھی پیدا ہو کہ یہ اِسی مختلف التوع اعانت کا نتیجہ ہے کہ اِسے ایرانی انداز بخشا گیا ہے، تو اِسے بھی قابلِ اعتراض نہیں کہا جا سکتا۔ صراحت کی اِسی لیے اہمیت بتائی گئی ہے۔ اگر ایسا تھا تو اس کی صراحت کر دینا چاہیے تھی، کہ اِسے ہندستانی نہ پڑھیں، یہ صرف ولایت کے لیے ہے۔ جیسے بعض کتابوں پر لکھا ہوتا ہے کہ اِسے فلاں مشرب یا مذہب والوں کے سوا دوسرے لوگ نہ پڑھیں۔ اگر ایسا نہیں، تو پھر وہ انداز کیوں اختیار کیا گیا جس سے ایرانی آشنا ہیں مگر ہندستانی نا آشنا ہیں اور خود مصنف جس سے بیگانہ آشنا تھا کہ اپنی تحریر میں اُس نے کبھی اُس کی پابندی نہیں کی، اس کے برخلاف یہاں کی روش کو مکمل طور پر برتا۔ اس کو یوں بھی دیکھیے کہ اقبال نے ''کشادن'' اور ''کشودن'' اور ''پرکار'' کو مع کافِ عربی لکھا ہے، یوں کہ یہاں یہی رائج ہے۔ اِس مجموعے میں ان لفظوں میں ک کی جگہ گاف لکھا گیا ہے (ص ۱۵۹، ۳۰۷ وغیرہ)،

یوں کہ ایرانی اب کشادن، کشودن اور پرگار کہتے ہیں۔

اب میں حضرت مولانا رفیع الدین ہاشمی صاحب! آپ سے پوچھتا ہوں کہ تحقیق اور تدوین کی اصطلاح میں کیا یہ تحریف نہیں؟ اِس کا حق مرتّبین کو کس نے دیا کہ وہ مصنّف کے لفظوں کی صورت کو بدل دیں؟

میرے پاس پہلے کے چھپے ہوئے نسخے کلامِ اقبال کے موجود ہیں؛ اُن کو دیکھتا ہوں اور اِس جدید نسخے کو دیکھتا ہوں تو بعض مقامات پر میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا سمجھوں۔ میں اِس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ صرف ایک یوں کہ یہ خط ویسے ہی طومار بنتا جارہا ہے اور آپ کے قیمتی وقت کو زیادہ برباد کرنے کا سبب بنے، یہ مجھے پسند نہیں۔ آپ کو تو بہت سے کام کرنا ہوتے ہیں۔ آدھی رات تک تو آپ اوراد و وظائف ہی میں مصروف رہتے ہوں گے، پھر وظائف الاعضا کا مرحلہ بھی آتا ہوگا تو یوں ایک ہی مثال پر اکتفا کرتا ہوں، مگر یہ عرض ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی مثالیں اِس میں متعدد ہیں اور خاصی پریشان کُن۔

ص ۳۳۲ پر ایک عنوان ہے ''جلال و گوتہ''۔ پہلے تو یہی سمجھنے میں دیر لگی کہ یہ ''گوتہ'' کیا بلا ہے، پھر معلوم ہوا کہ یہ ''گوئٹے'' کی مسخ شدہ صورت ہے۔ خیر۔ میرے پاس پیامِ مشرق کا بارھواں اڈیشن ہے جس کے آخر میں یہ مرقوم ہے کہ ''پاکستان ٹائمز پریس لاہور میں چھپوا کر ڈاکٹر جاوید اقبال بار ایٹ لاء نے جاوید منزل علاّمہ اقبال روڈ لاہور سے شائع کی''۔ اِس اڈیشن میں مذکورہ نظم کا عنوان ہے ''جلالؔ و گوئٹےؔ''۔ دونوں ناموں پر خط کھنچے ہوئے ہیں، جس سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عام لفظ نہیں، نام ہیں۔ اِسی صفحے پر ایک فٹ نوٹ ہے، جس میں ساڑھے تین سطریں ہیں، جو یہاں سے شروع ہوتا ہے: ''نوٹ۔ نکتہ دان المنی سے مراد گوئٹے ہے۔۔۔۔'' یہ نوٹ اِس نسخے میں موجود نہیں اور کہیں اور بھی اس کا ذکر اِس نسخے میں نہیں ملتا۔ سوال یہ ہے کہ فٹ نوٹ کی یہ عبارت کیا اقبال کی نہیں، کسی دوسرے کی لکھی ہوئی ہے؟ اِس صورت میں اِس کی صراحت واجب تھی۔ اگر اقبال کی ہے تو اس کی شمولیت لازم تھی۔ اِسے شامل نہیں کیا گیا ہے تو صراحت ضروری تھی ______ یہ صرف ایک فٹ نوٹ کی بات نہیں، کئی ایسے فٹ نوٹ ہیں، مثلاً بائرن، نیٹشے، پٹوفی۔ ''پٹوفی'' کے عنوان کے نیچے ایک فارسی عبارت ہے اصل متن میں۔ یہ عبارت اِس جدید نسخے میں شامل نہیں۔ کیا یہ عبارت اقبال کی نہیں، کسی اور کی ہے؟ پھر ناموں کو جس بُری طرح مسخ کیا گیا ہے مذاقِ ایرانی کی پیروی میں، وہ عبرت طلب ہے، مثلاً

''سپیٹشا'' (نسخۂ قدیم) نے نسخۂ جدید میں ''سچہ'' کی صورت اختیار کرلی ہے (ص ٣٢٩)۔ ہندستان میں ''سچہ'' تو ہے کا ہوا کرتا ہے۔ اقبال نے نظم کا عنوان ''حکیم آئن اسٹائن'' رکھا تھا (نسخۂ قدیم) اب وہ ''حکیم آئینسٹین'' بن گیا۔ (ص ٣٢٨) معلوم نہیں بن گیا کہ بگڑ گیا، مگر یہ ضرور معلوم ہے کہ اقبال نے اِس طرح نہیں لکھا تھا۔

ہاشمی صاحب مکرم! اب ہم آپ دونوں کو مل کر یہ مان لینا چاہیے اور احتیاطاً تحسین فراقی صاحب کو بھی شامل کر لیجیے اور اگر اشتباہ کا جھگڑا ہو ثلاثہ کے لحاظ سے تو کسی چوتھے صاحب کو بھی ملا لیجیے اور چار یاری بن کر یہ مان لیجیے اور اعلان کر دیجیے کہ ایسی کسی کتاب پر مقدمہ نہ لکھا جائے، اُس میں مفصّل حواشی شامل نہ ہوں تو خواہ پڑھنے والے مبتلاے پریشانی و غلط فہمی ہوتے رہیں، مرتّبین کو بہت آسانی حاصل ہو جایا کرتی ہے، گویا تدوین کے کام پر جدید شاعری (یعنی جدیدیت زدہ شاعری) کا جواز نکل آتا ہے۔

ہاں ہاشمی صاحب محترم! میں نے جو اوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اِسے ایرانیوں کے لیے مرتّب کرایا گیا ہے، اس قیاس کی تائید کا ایک قوی قرینہ اور بھی موجود ہے۔ اُردو کلام کا جو مجموعہ ہے، اُس میں بھی فارسی اشعار جا بہ جا آئے ہیں اور اُن کو ہندستان کے متعارف اور مستعمل انداز میں لکھا گیا ہے، مثلاً ص ٥٢١ پر ضربِ کلیم کے آغاز میں تین شعر ہیں، ان کے ان مصرعوں کو دیکھیے:

کسے نہ بود کہ ایں داستاں فرو خواند

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من

کے، ایں، داستاں، ایں؛ یہ سب اُسی طرح لکھے ہوئے [ہیں] جس طرح اقبال لکھتے تھے اور جس طرح اور لوگ لکھتے رہے ہیں۔

طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست	ص ٤٦٣
سوئے ما آور [درآ] کہ تجارت کند	//
تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد	
ہیچ قوے را خدا رسوانہ کرد	ص ٤٦٦
بال بازاں را سوئے سلطاں برد	ص ٤٦٨
چوں جنازہ نے کہ بر گردوں برند	ص //
لیکن او کے گنجد اندر دام کس	ص ٤٦٩

تو دلِ خود راد لے پنداشتی
جستجوے اہلِ دل بگذاشتی ص ٤٧٠

خلوت از اغیار باید نے زیار
پوستیں بہر دے آمد نے بہار ص ٤٧٢

کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است ص //

میرا خیال ہے کہ یہ مثالیں اثباتِ مدّعا کے لیے کافی ہیں ـــــــ ایک بات اور: فارسی والے اضافت کے زیر بہ طورِ عموم نہیں لگاتے۔ اس نسخۂ کلیّاتِ فارسی میں بھی اِس روش کی پیروی کی گئی ہے کہ اضافت کے زیر کہیں نہیں ملتے۔ مگر نسخۂ کلامِ اُردو میں فارسی اشعار میں بھی اضافت کے زیر ملتے ہیں۔ اِس سے اُس خیال کی تائید کا ایک اور پہلو نکلتا ہے۔

نسخۂ اُردو میں ص ٥٦ پر ایک مصرع ہے: ''محفلِ ہستی تری بربط ـ ے ہے سرمایہ دار''۔ ''تری'' کا تعلق بہ ظاہر ''بربط'' سے ہے اور اِس صورت میں ''ترے'' ہونا چاہیے۔ حواشی ہوتے تو یہ صراحت ملتی کہ یہاں صورتِ حال کیا ہے۔ ص ٤٢٥ پر ایک مصرع ہے: ''جن کی لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی''۔ یہاں بھی ''کی'' اور ''کے'' کا معاملہ ہے ـــــــ ص ٥٥ پر ایک مصرع اِس طرح ہے: ''درد، طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے''۔ بانگِ درا کا جو لاہوری اڈیشن میرے پاس ہے، اُس میں ''دردِ طفلی'' ہے۔ اس کی تشریح بھی حواشی ہی میں ہو سکتی تھی۔

مجموعۂ اُردو میں (مجموعۂ کلامِ فارسی کے بر خلاف) توقیف نگاری سے کام لیا گیا ہے اور اضافت کے زیر بھی لگائے گئے ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے، مگر التزام برقرار نہیں رہ سکا، جب کہ اِس کی اشد ضرورت تھی۔ مثلاً ص ٥٧ پر ''ابرِ کوہسار'' کے عنوان سے جو نظم بہ طرزِ مسدّس ہے، اُس کا پہلا شعر ہے:

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا
ابر کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا

اِس میں دوسرے مصرعے میں ''ابر کہسار ہوں'' کے بعد کاما کا محل ہے، یعنی:

ابرِ کہسار ہوں، گل پاش ہے دامن میرا

ہاں مجموعۂ کلامِ اُردو میں بھی مرتبین کا مقدّمہ موجود نہیں۔ ''خراجِ عقیدت'' کے عنوان سے اقتباسات جمع کر دیے گئے ہیں، جن کی کچھ ایسی ضرورت نہیں تھی۔ ضرورت تھی ایسے مقدّمے

کی جس میں بتایا جاتا کہ متن کی ترتیب کس طرح کی گئی ہے اور کن نسخوں سے کام لیا گیا ہے۔ ''قایدِ اعظمؒ'' کے دو اقتباسات ہیں، اور بہ طور اقتباس یہی دو عبارتیں کافی تھیں، باقی کی ضرورت نہیں تھی۔ اُن کے بجائے کام کی باتیں لکھنا چاہیے تھی[کذا] وہی کام نہیں ہوا۔ ہاں صاحب! اب ایک ذرا مختلف سی بات: آپ آخر قایدِ اعظم کو رحمت اللہ بنانے پر کیوں تُل گئے ہیں؟ وہ بڑے سیاست داں تھے، بڑے آدمی تھے، بہت سوجھ بوجھ رکھنے والے، مگر سیاسی سوجھ بوجھ، مذہبی یا صوفیانہ سوجھ بوجھ نہیں۔ اُنھوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ آپ اُنھیں یہ سزا دے رہے ہیں؟ آپ نے اقبال کو رحمۃ اللہ بنایا، خیر، مان لیا؛ مگر قایدِ اعظم والی بات تو حلق سے اُترتی نہیں۔ اُن کو رحمۃ اللہ بنا کر اُن کا عرس منانے کا تو سر و سامان فراہم نہ کیجیے۔ آپ کہیں گے کہ ہم تو اُن کا عرس نہیں مناتے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ عرس نہیں مناتے، مگر رحمت اللہ علیہ تو آپ نے بنا دیا، بعد والے اگر اِس کو سامنے رکھ کر عرس بھی کرنے لگیں تو ذمّے داری تو آپ ہی کی ہوگی۔ یہاں گاندھی جی کو مہاتما بنادیا گیا اور وہاں قایدِ اعظم کو رحمت اللہ علیہ بنالیا گیا۔ خوب ہے یہ شخص پرستی۔ اچھے خاصے آدمی کو جب تک لوازمِ بشریّت سے مامون و محفوظ نہ کرلیں، یا منٹو کے الفاظ میں، رحمت اللہ علیہ کی کھونٹی پر نہ ٹانگ دیں، ہمیں چین نہیں پڑتا۔ خوب لوگ ہیں ہم بھی! ۷

یہ خط بہ غرضِ احتیاط رجسٹری سے بھیج رہا ہوں، کیوں کہ پہلے خط کی بابت آپ نے لکھا تھا کہ محفوظ نہیں رہا۔ اب آپ اگر اس کی ایک سطری رسید فوری طور پر بھیج دیں گے تو مجھے صحیح معنی میں اطمینان ہو جائے گا۔ ہاں صاحب! تہجد کی نماز کے بعد کسی دن میرے لیے بھی دعا کیجیے گا۔ شکریہ پیشگی۔

رشید حسن خاں

بہ ملاحظۂ حضرت مولانا و بالفضل اولنا
ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی بالقابہ بگذرد۔

---

۱ یہ مضمون ۱۹۹۲ء کے سیارہ اقبال نمبر میں چھپا تھا۔ نظرِ ثانی کے بعد میں ہاشمی صاحب کے مجموعۂ مقالات اقبالیات: تفہیم و تجزیہ [۲۰۰۵ء] میں ''کلامِ اقبال کی معیاری تدوین و اشاعت'' کے عنوان سے شامل کیا گیا۔

۲ معروف شاعر اور ادبی رسالہ افکار کے مدیر۔ اصل نام مرزا عظیم احمد بیگ چغتائی ہے۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو شاہ جہاں پور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ بی کام کا امتحان آگرہ یونی ورسٹی سے پاس کیا۔ ۱۹۴۹ء میں

پاکستان آئے۔ وفاقی حکومت کے ایک ادارے کوآپریٹو سوسائٹی میں بہ طور اسسٹنٹ سیکرٹری ملازمت کی۔ تصانیف: مثنوی سیرِ کراچی ۱۹۵۹ء۔ جزیرہ ۱۹۷۹ء۔ حرفِ نسبت ۱۹۹۴ء۔ ۱۷ر فروری ۲۰۰۹ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔

۳ معروف اقبال شناس اور دانش ور: ۲۷ر مارچ ۱۹۲۳ء کو بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ جامعۂ پنجاب سے ایم اے اُردو، ایم اے فلسفہ اور ایم اے عربی کے امتحانات پاس کیے۔ گورنمنٹ کالج لائل پور اور گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ ۱۹۸۰ء میں جامعۂ پنجاب میں شعبۂ اقبالیات کے چیرمین مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۳ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ دوبار اقبال اکادمی پاکستان کے ناظم رہے۔ ۱۹۹۷ء میں حکومتِ پاکستان نے اُنھیں ''ستارۂ امتیاز'' سے نوازا۔ میزانِ اقبال، ایقانِ اقبال، برہانِ اقبال، علّامہ اقبال کی فارسی غزل، قرطاسِ اقبال، Dimensions of Iqbal اور Iqbal & Quranic Wisdom کے علاوہ کئی کتب تالیف و ترجمہ کیں۔ ۷ فروری ۲۰۰۰ء کو لاہور میں وفات پائی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر محمد منور بطور اقبال شناس از زبیدہ جبیں: اقبال اکادمی پاکستان۔ لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۴ فرزندِ اقبال، ادیب، دانش ور اور اقبال شناس: ۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء میں سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج، لاہور سے انگریزی ادبیات اور فلسفے میں ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ کیمبرج یونی ورسٹی سے پروفیسر اے جے آربری کی نگرانی میں ''مسلم سیاسی فلسفے کا ارتقا: برصغیر پاک و ہند کے حوالے سے'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پھر لندن سے بار ایٹ لا کا امتحان بھی پاس کیا۔ کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں مئے لالہ فام، زندہ رود (۳ جلدیں)، میراثِ قائدِ اعظم، Stray Reflections، The Ideology of Pakistan، اپنا گریباں چاک اور جہان جاوید وغیرہ شامل ہیں۔

۵ مرزا رفیع سوداؔ کا شعر یہ ہے:

تو نے سوداؔ کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اِسے کیا کہتے ہیں

۶ تحقیق کے چار اہم ستون، کئی کتابوں کے مصنف، مرتب اور مؤلف:

۱۔ حافظ محمود شیرانی ____ پ: ۱۸۸۰ء م: ۱۹۴۶ء
۲۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی ____ پ: ۸ر دسمبر ۱۹۰۴ء م: ۲۱ر فروری ۱۹۸۱ء
۳۔ قاضی عبدالودود ____ پ ۸ر مئی ۱۸۹۶ء م: ۲۵ر جنوری ۱۹۸۵ء
۴۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع ____ پ: ۱۸۸۳ء م: ۱۴ر مارچ ۱۹۶۳ء

۷ رحمت اللہ علیہ ایک دُعائیہ کلمہ ہے جو کسی بھی مسلمان کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام کے ساتھ اس دعائیہ کلمے کو خاں صاحب ''شخصیت پرستی'' قرار دیتے ہیں۔ حیرت ہے!! مسلمانانِ ہندو پاک کا نجات دہندہ اور محسن کیا اس دعائیہ کلمے کا بھی استحقاق نہیں رکھتا؟

[خط:۶]

۱۱ر مئی ۱۹۹۳ء

حضرت سلامت!

کتابچہ مل گیا۔ اِس کے لیے شکر گزار ہوں۔ دو ہفتے قبل یہاں انجمن ترقی اُردو کی طرف سے اقبال سیمینار ہُوا تھا، میں نے بھی اُس میں ایک مختصر سا پرچہ پڑھا تھا، عنوان تھا: ''کلامِ اقبال کی تدوینِ جدید کی ضرورت''۔ آغاز کی سطر یہ تھی: ''ہم کو فراخ دلی کے ساتھ یہ بات مان لینا چاہیے کہ کلامِ اقبال کا کوئی ایسا مجموعہ اب تک مرتب نہیں ہو سکا ہے جسے اصولِ تدوین کے مطابق معیاری اور مثالی کہا جا سکے''۔ اِس کے بعد باقی بحثیں تھیں۔ آپ یہ بتائیے کہ تحریر کو، جو طویل نہیں، وہاں چھپوانا بہتر ہوگا یا پھر نہ چھپوانا بہتر ہوگا۔ آپ سے یوں پوچھ رہا ہوں کہ اِس پرچے کا بہت کچھ مواد، میں نے آپ کی کتاب ''تصانیفِ اقبال ـــــ'' ۱ سے لیا تھا۔ ۲

سیارہ کب تک آرہا ہے؟ کیا وہ خط اُس میں شامل ہوگا؟ اور کیا مع جوابی تحریر؟ ذاتی خطوں سے متعلق میرا مضمون فنون ۳ میں آپ نے پڑھ لیا ہوگا۔ اس کے متعلق آپ کی راے جاننے کا متمنی ہوں۔

میری پوتی ۴ سال کی ہے، اُسے بلڈ کینسر تجویز کیا گیا ہے۔ یہاں کے ایک اسپتال میں داخل ہے، علاج جاری ہے۔ سخت پریشان ہوں اور لکھنا پڑھنا سب چوپٹ سا ہو رہا ہے۔ آپ کی تو وہاں تک رسائی ہے، دُعا کر دیجیے نا! دُعا کے ساتھ کُچھ کہہ سُن بھی دیجیے گا۔

ہاں بھائی! کیا ایسا انتظام ممکن ہے کہ جاوید اقبال صاحب نے جو کلیات مرتب کیا تھا اردو اور فارسی دونوں کا، وہ مجھے مل سکے، اس صورت میں کہ اس کی ہم قیمت کتابیں، جو بھی منتخب کی جائیں، میں یہاں سے بھجوا دوں۔ لاہور کے زمانۂ قیام میں اس کا خیال نہیں آیا۔ اب لکھنے بیٹھا تو اس کی سخت ضرورت محسوس ہوئی، خاص کر فارسی کلیات کی۔ کیا آپ اِس سلسلے میں میری کچھ مدد

کر سکتے ہیں۔ یہ جو میری تحریر تدوینِ جدید سے متعلق ہے، دراصل اِس پر نظرِ ثانی کرنا ہے اور یہ کام اس نسخۂ کلیات کے بغیر ہو نہیں پائے گا۔ مجھے صائب کا شعر یاد آیا:

دور دستاں را بہ احساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپاے خود ثمر می افگند

ہریانہ اُردو اکیڈمی کی طرف سے پچھلے ماہ اقبال سیمینار ہوا تھا، معلوم یہ ہوا ہے کہ اُس میں اقبال کی فارسی شاعری سے متعلق ایک اچھا مضمون پڑھا گیا تھا، سبکِ اقبال کے عنوان سے۔ کئی لوگوں نے اُس کی تعریف کی ہے۔ میں اُس میں شرکت نہیں کر سکا تھا اپنی اِنھی پریشانیوں کے سبب سے۔ دُعا کا طالب ہوں اور التفات کا طلب گار اور نوازش نامے کے لیے چشم بہ راہ۔

تحسین فراقی صاحب سے سلام کہیے۔

رشید حسن خاں

---

۱ صحیح اور پورا نام ہے: تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ

۲ خاں صاحب کا یہ مضمون ''کلامِ اقبال کی تدوین'' کے عنوان سے پہلے القلم، کراچی اور پھر سیارہ لاہور کی اشاعت ستمبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا، ہاشمی صاحب نے اس مضمون پر ''استدراک'' بھی لکھا جو آخر الذکر شمارے میں ہی چھپا۔ اب یہ مضمون اور استدراک خاں صاحب کے مجموعۂ مضامین تدوین ـــــ تحقیق، روایت مطبوعہ ۱۹۹۹ء اور ہاشمی صاحب کے مجموعۂ مقالات اقبالیات: تفہیم و تجزیہ [۲۰۰۵ء] میں ''کلامِ اقبال کی معیاری تدوین و اشاعت'' کے عنوان سے شامل ہے۔

۳ اُردو کا سہ ماہی ادبی جریدہ فنون احمد ندیم قاسمی نے ۱۹۶۳ء میں لاہور سے جاری کیا تھا۔ فنون میں مطبوعہ خاں صاحب کا مضمون بہ عنوان: ''ذاتی خطوں سے متعلق چند معروضات'' ان کے مجموعۂ مضامین تفہیم میں شامل ہے۔

☆☆☆

[خط: ۷]

۱۷ جون ۱۹۹۳ء

مُحبِّ مکرّم!

کلیاتِ اقبال (اُردو) بہ ذریعۂ ڈاک موصول ہوا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے بہ طور خاص شکرگزار ہوں۔

سیارہ کا اقبال نمبر حصۂ دوم بہ قول آپ کے، اپریل میں آنے والا تھا، میرے پاس تو اب تک آیا نہیں؛ غالباً اب تک شائع نہیں ہوسکا۔

میرا خط تو مل گیا ہوگا۔ پچھلے ۲۰ [بیس] دن سے طبیعت ٹھیک نہیں۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب دھوپ دیوار سے ذرا تیزی سے اُترنے لگی ہے۔ بخار ہے، پیروں میں درد ہے اور نہ معلوم کیا کیا ہے۔ آپ خدا کے نیک بندوں میں سے ہیں، سارے اچھے کام کرتے ہیں، بس میرے لیے دُعا نہیں کرتے۔

ہاں صاحب! اِس کلیات کو دیکھ کر خوشی نہیں ہوئی، یوں کہ مقصد محض تجارت معلوم ہوتا ہے۔ غضب خدا کا تین چار طرح کا معمولی کاغذ لگایا گیا ہے، جو اوپر ہی سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ حاشیوں کی کٹائی اِس بے دردی کے ساتھ کی گئی ہے کہ حدّ ِ صفحات کی صورت بگڑ سی گئی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ارمغانِ حجاز کو دو مستقل حصّوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ مرتب کو اِس کا حق کسی طور پر حاصل نہیں تھا۔ میرے پاس چودھری محمد حسین والا پُرانا اِڈیشن ہے (نویں اشاعت) اُس میں یہ تقسیم موجود نہیں۔ اِس میں مزید ستم یہ ہوا ہے کہ ص ۱۰۲۸ کے بعد ارمغانِ حجاز ___ اُردو کا آغاز ہوتا ہے اور اِس صفحے سے نیا نمبر شمار ۶۴۳ شروع ہوتا ہے جو ص ۶۹۲ پر ختم ہوتا ہے اور اُس کے بعد پھر ص ۱۰۲۹ آجاتا ہے۔ یہ تو ستم نہیں، ستم ظریفی ہے۔

میرا ارادہ ''کلامِ اقبال کی جدید تدوین کی ضرورت'' لکھنے کا تھا اور ہے، مگر آپ نہیں چاہتے کہ لکھوں، ورنہ کچھ دُعا کرتے، تعویذ بھیجتے، عمل پڑھتے کہ طبیعت ٹھیک ہوجاتی۔ خیر، میرا یہ

ارادہ ضرور ہے کہ طبیعت کے رُو بہ راہ ہوتے ہی اِس موضوع پر چند صفحات لکھوں اور آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج دوں۔ یہ واقعتاً افسوس کا مقام ہے کہ آج تک کلیاتِ اقبال اصولِ تدوین کے مطابق مرتب نہیں کیا جاسکا، جس طرح مثلاً دیوانِ غالب نسخۂ عرشی ہے۔

فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے اور اپنے پرنسپل صاحب ۱؎ سے بھی۔ مثنوی گلزارِ نسیم کے کام میں اُلجھا ہوا تھا، آج کل وہ بھی معطّل ہے۔ خرابیِ طبیعت نے سب کچھ چوپٹ کر رکھا ہے۔ میں اِس مثنوی کے کام کو ضرور مکمّل کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ یہ پھر اِس طرح نہیں ہو پائے گا۔ ۲؎

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ عافیت ہوں۔ مخلص

رشید حسن خاں

۱؎ اُن دنوں ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک (پروفیسر و صدر شعبۂ عربی) اورینٹل کالج کے پرنسپل تھے۔

۲؎ خاں صاحب نے مثنوی گلزارِ نسیم کی تدوین کا کام مکمل کیا جو پہلی بار ۱۹۹۵ء میں انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی سے شائع ہوا۔

☆☆☆

[خط:۸]

۵رجولائی ۱۹۹۳ء

مولانا صاحب!

عشق اللہ۔آپ کا خط مرقومۂ ۷رجون ملا، آپ کا خط تھا، یوں اُس کا تاخیر سے ملنا ضروری تھا۔اچھی چیزیں جلد کہاں ملتی ہیں۔

میں اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا تھا، ملا ہوگا۔وہ منصورہ کے پتے پر بھیجا گیا تھا۔ نذیر احمد کی کہانی جو صاحب چھاپنا چاہتے ہیں، آپ سے اجازت لے کر ضرور چھاپ سکتے ہیں۔ ہاں، اِس سیریز میں دوسری کتاب (کتابچہ) دہلی کا آخری یادگار مشاعرہ ہے۔ یہ دونوں ایک ساتھ چھپی تھیں۔اِسے بھی آپ سے اجازت لے کر چھاپا جاسکتا ہے۔شرط ہے آپ کی اجازت۔ ۱

توبۃ النّصوح ۲ کے لیے اُنھی صاحب زادے سے کہہ دیا ہے کہ وہ ڈھونڈھ کر، اور اگر نہ ملے تو چُرا کر کہیں سے لائیں (دل اور کتاب کی چوری جائز ہے۔بے توفیقی کی بات دوسری ہے)، جنھوں نے آپ کو کمال احمد صدّیقی ۳ والا مضمون بھیجا تھا۔

میں آج کل گلزار نسیم میں بے طرح اُلجھا ہوا ہوں۔ہاں یاد آیا، یو پی اُردو اکیڈمی نے توبۃ النّصوح کی پہلی اشاعت کا عکسی اڈیشن شائع کیا تھا، وہ تو میرے پاس ہی ہے، اُس کی ضرورت تو نہیں۔

ہاں صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ کلیاتِ اقبال پر تبصرہ سیارہ کے نمبر کے لیے لکھوں۔میں تو آپ کا نیاز مند ہوں اور آپ کے حکم کی تعمیل کو فرض نہ سہی، واجب تو ضرور سمجھتا ہوں؛ مگر وہ خط بھی تو اُسی میں چھپے گا۔کیا ایسی دو مختلف تحریروں کا ایک ساتھ چھپنا مناسب ہے؟ میری رائے میں تو مناسب نہیں۔

میں وبائی بخار کا بے طرح شکار رہا۔توانائی گویا باقی نہیں رہی۔سخت جانی کی رفاقت کا

یہ فیض ہے کہ خط لکھ رہا ہوں۔ یہ خط کافی ہاؤس میں بیٹھا ہوا لکھ رہا ہوں۔ کافی کے تلخ گھونٹ پیتا جاتا ہوں اور یوں قلم اور ذہن کو رواں رکھ رہا ہوں۔ دُعا کا طالب ہوں۔ فراقی صاحب سے میرا سلام کہیے۔ اگر یہ خط آپ کو مل جائے تو جواب سے محروم نہ رکھیے۔

رشید حسن خاں

---

۱ مرزا فرحت اللہ بیگ کی کتاب ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی پشاور یونی ورسٹی کے ایم اے کے نصاب میں شامل تھی؛ ڈاکٹر صابر کلوروی کی خواہش تھی کہ اس کتاب کا رشید حسن خاں کا مرتبہ نسخہ پاکستان سے شائع کیا جائے تا کہ طلبہ و طالبات صحیح تر متن کا مطالعہ کریں مگر کلوروی صاحب کا یہ اشاعتی منصوبہ رُ بہ عمل نہ آسکا۔

۲ ہاشمی صاحب کو مکتبہ جامعہ دہلی کی شائع کردہ توبتہ النصوح مرتبہ مالک رام کی ضرورت تھی۔

۳ بھارت کے نام ور شاعر، ادیب اور عروض دان [پ ۱۷۔ فروری ۱۹۲۶ء لکھنؤ]۔ اردو ادب دہلی (شمارہ ۳، ۱۹۹۱ء) میں ان کا ایک طویل مضمون "علامہ اقبال سے منسوب کچھ خطوط: ایک مطالعہ" (۶۲ صفحات) شائع ہوا تھا۔ خاں صاحب کی توجہ سے ہاشمی صاحب کو یہ مضمون دستیاب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

[خط:۹]

۸؍ستمبر ۱۹۹۳ء

مُحبِّ مکرم!

سلامِ مسنون۔ آپ کے دو خطوں کے جواب میرے ذمّے واجب تھے۔ کیا کروں، ناسازیِ طبع صورت بدل بدل کر پریشان کرتی رہتی ہے۔ اصل میں اب دھوپ دیوار سے کچھ تیزی کے ساتھ اُترنے لگی ہے۔ دُعاؤں کا طالب ہوں۔

شاہ جہاں پور میں کبوتر بازی کا خاصا شوق رہا ہے مگر اب یہ محض یادِ ماضی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں کبوتروں کی ایک خاص نسل تھی جنھیں ''ہُمرے'' کہتے تھے۔ اِن کی شہرت دور دور تھی۔ رجب علی بیگ سرور نے فسانۂ عبرت میں محمد علی شاہ کی تعریف میں طویل نثر لکھی ہے، اُس میں آبادیِ شہر اور رونق کا ذکر کیا ہے: ''کسی جا کبوتر گرہ باز، شاہ جہاں پور کے بلند پرواز''۔ (ص ۴۵)

ارمغانِ علمی [۱] کے سلسلے میں عرض ہے کہ اب سے کئی سال پہلے کراچی میں مشفق خواجہ صاحب [۲] نے مجھ سے اسی جلد کے لیے مضمون کی فرمایش کی تھی۔ میں نے فی الفور تعمیلِ حکم کی تھی اور مضمون بھیج دیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ میں مضمون بھیج چکا ہوں۔ وحید قریشی صاحب میرے کرم فرما ہیں، ظاہر ہے کہ میں اُن کے سلسلے کی کتاب میں شامل ہونے سے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر یہ ''مجلسِ ادارت و مشاورت'' آپ حضرات نے خوب ترتیب دی ہے! پچھلی مجلس کے مقابلے میں اس نئی فہرست میں بعض نام بدلے ہوئے نظر آئے۔ یہ آپ کس پھیر میں آ گئے ہیں؟ آپ تو اس کاروبار کے آدمی ہیں نہیں۔

گلزارِ نسیم کا کام رُکا ہوا ہے، ذرا سنبھلوں تو اُسے سنبھالوں۔ کام بہت اُلجھا ہوا ہے، پورا معرکۂ چکبست و شرر سامنے ہے اور اُس پر محاکمہ بھی کرنا ہے الگ الگ اشعار پر۔ میں آدمی اکیلا، کوئی ایسا بھی نہیں جو دو صفحے نقل ہی کر دے۔ خیر، یہ کام ہو گا ضرور۔ آپ کی توجہ کی

ضرورت ہے۔[یہاں لفظِ توجہ، اصطلاحِ تصوّف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے]۔

تحسین فراقی صاحب کہاں ہیں؟ اُن سے میرا سلام کہیے۔ اُن کی بھیجی ہوئی کتاب مل گئی۔ اِس لطفِ خاص کے لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔ بہت شوق، دل چسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھوں گا۔ ہاں یہ کتاب مجھے پرسوں یعنی ۶ ستمبر کو ملی ہے۔ یہ ضرور کہہ دیجیے گا۔ وہ یہ خیال نہ کریں کہ رسید میں نے تاخیر سے بھیجی ہے۔

کیا آپ کے دوست اب بھی نذیر احمد کی کہانی اور دہلی کا یادگار مشاعرہ اب بھی[کذا]۳ چھاپنا چاہتے ہیں۔ دونوں کے نسخے میں نے منگا کر رکھ لیے ہیں۔ شرط میری کوئی نہیں۔ آپ اِس سلسلے میں جو طے کر دیں مجھے بلا تکلّف منظور ہو گا۔ چوں کہ وہ عکس چھاپیں گے، یوں کا پیاں پڑھنے اور تصحیح کرنے کا بھی کوئی جھگڑا نہیں اُٹھے گا۔ جب آپ کا خط آئے گا، توبۃ النّصوح کے نسخے بھی اُنھی کے ساتھ بھیج دوں گا۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے۔ کلیاتِ اقبال کی تدوین والا مضمون بھی ادھورا پڑا ہے، اُسے مکمل ضرور کرنا ہے۔ کیا کروں، چاہتا بہت کچھ ہوں، مگر۔۔۔۔۔۔اب گھر والے یاد آنے لگتے ہیں اکثر، یہ بڑھاپے کی سچّی پہچان ہے۔ صحت بھی یہی مطالبہ کرتی ہے کہ اب جا کر اُن کے ساتھ رہوں۔ ذرا دیکھیے تو پچھلے ۳۴ سال سے بیوی بچّوں کو شاہ جہاں پور میں رکھ چھوڑا ہے اور میں یہاں تنہا سارے امراض و آلام کا ہدف بنا رہتا ہوں۔ جس رات دل کا دورہ پڑا اور اسپتال لے جایا گیا تھا، اُس دن ۳۴ برس میں صحیح معنی میں پہلی بار تنہائی کا احساس ہوا تھا اور اُس دن سے یہ احساس ذہن پر چھا کر رہ گیا ہے۔

رشید حسن خاں

---

۱ نام ور محقق، نقاد اور اُستاد ڈاکٹر وحید قریشی کی علمی و ادبی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے ارمغانِ علمی کا منصوبہ بنا رہا؛ بالآخر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر تحسین فراقی اور ڈاکٹر عارف نوشاہی کے اشتراک سے یہ منصوبہ تکمیل آشنا ہوا۔ یہ ارمغانِ علمی ۱۹۹۸ء میں القمر انٹر پرائزز، لاہور کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔ اس ارمغان میں رشید حسن خاں صاحب کا ایک تحقیقی مضمون بہ عنوان: ''املا کا بنیادی مسئلہ'' شامل ہے۔

۲ اصل نام عبدالحیٔ ہے۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۳۵ء کو لاہور میں خواجہ عبدالوحید کے گھر پیدا ہوئے۔ ۱۳ سال کی عمر میں کراچی چلے گئے اور پھر ساری زندگی وہیں گزاری۔ ۱۹۵۸ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ایم اے اُردو کا امتحان

پاس کیا۔ انجمنِ ترقیِ اُردو سے بہ طور اسسٹنٹ سیکرٹری وابستہ ہوئے اور مولوی عبدالحق کے ساتھ ۱۹۷۳ء تک کام کیا۔ ۱۹۹۴ء میں حکومتِ پاکستان نے انھیں صدارتی تمغا برائے حسنِ کارکردگی سے نوازا۔ ۲۱ر فروری ۲۰۰۵ء کو راہیِ مُلکِ بقا ہوئے۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: ابیات (شعری مجموعہ)، اقبال از احمد دین (تدوین)، جائزۂ مخطوطاتِ اُردو (تحقیق)، غالب اور صفیر بلگرامی (تحقیق)، تحقیق نامہ (مجموعۂ مقالات)، کلیاتِ یگانہ (تدوین)، سخن در سخن (کالم مرتبہ مظفر علی سیّد)، خامہ بگوش کے قلم سے (کالم مرتبہ مظفر علی سیّد)، سخن ہائے نا گفتنی (کالم مرتبہ مظفر علی سیّد)، سخن ہائے گسترانہ (کالم مرتبہ ڈاکٹر انور سدید)، سن تو سہی (کالم مرتبہ ڈاکٹر انور سدید، خواجہ عبدالرحمٰن طارق)۔

۳ ''اب بھی'' غلطی سے دوبار لکھا گیا ہے۔

☆☆☆

منشی صاحب کی نذر

[illegible]

۱۸ دسمبر ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی

کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی

رفیع الدین ہاشمی

۵-۱-۹۴ء

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی

مُرتّب

رشید حسن خاں

انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلّی

[خط: ۱۰]

۲۱ر دسمبر ۱۹۹۳ء

حضرت سلامت!

دنوں کے بعد توفیق رفیق ہوئی کہ خط لکھ سکوں۔ اب کے تو بہت تاخیر ہوئی جو سراسر ناروا تھی، شرمندگی ہے اور معذرت طلبی؛ اِس کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

کیا کروں، بے طرح اُلجھ گیا ہوں اِس گلزارِ نسیم میں۔ رفو کا کام بہت ہے اِس میں۔ پورا معرکۂ چکبست وشرر ہے، جس کی تفصیلات کو سمیٹنا ہے اور محاکمہ بھی کرنا ہے۔ اِس میں ایک بڑا کام ہو گیا، آپ سُن کر خوش ہوں گے؛ اصل قصّے کو سب سے پہلے عزّت اللہ بنگالی نے فارسی میں لکھا تھا، اُس کا ترجمہ نہال چند لاہوری نے اُردو میں کیا تھا مذہبِ عشق کے نام سے، گل کرسٹ کی فرمایش پر۔ اُس فارسی متن کو، میری اب تک کی معلومات کے مطابق، منشی نہال چند کے بعد کسی نے نہیں دیکھا اور ہوا میں گرہ لگاتے رہے۔ بس مذہبِ عشق کو دیکھا۔ لندن، کلکتے اور پٹنے سے اُس فارسی متن کے عکس مل گئے، دو سال کی تگ و دو کے بعد۔ اب آپ داد دیجیے میرے صبر کی بھی اور تلاش کی بھی۔ ۱۲۶۱ھ میں دہلی کا ایک مشاعرہ، نذیر احمد کی کہانی اور توبۃ النّصوح مرتبۂ مالک رام ۱ کے لیے آپ نے لکھا تھا۔ اِن کا پارسل بھیجا جا رہا ہے، از راہِ لطف رسید سے مطلع کیجیے گا۔ ایک مشاعرے ... سے متعلق یہ بات ذہن میں رہے کہ دہلی کی آخری شمع اس کا اصلی نام نہیں، یہ نام خواجہ حسن نظامی کا رکھا ہوا ہے۔ ناشر کی مشکل یہ تھی کہ یہاں ہائی اسکولوں کے نصاب میں یہ اِسی نام سے شامل ہے، اِس لیے اِس نام کو بھی شامل کرنا پڑا۔ آپ اصلی نام رکھیے گا۔ اس کا اصل نام ہے: ۱۲۶۱ھ میں دہلی کا ایک مشاعرہ۔ حرفِ آغاز کو وہاں کے نسخے میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہاں ناشر کوئی اور صاحب ہوں گے۔ وہ اگر چاہیں تو حرفِ آغاز کے نام سے اپنی طرف سے کچھ لکھ سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ فراقی صاحب سے میرا سلام کہیے۔ اُن کی کتاب کا شکریہ پہلے ہی بھیج چکا ہوں۔ کون صاحب چھاپیں گے؟ ذرا کچھ تفصیل تو لکھیے۔ ۲

محبِّ مکرم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
کی نذر

۸ دسمبر ۱۹۹۳ء

دہلی کی آخری شمع

(۱۲۶۱ھ میں دہلی کا ایک مشاعرہ)

رفیع الدین ہاشمی
۵ جنوری ۱۹۹۴ء

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی

مُرتّب

رشید حسن خاں

انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دلّی

میرے لیے بعدِ نمازِ تہجد ہر مہینے میں گیارہ بار ضرور دُعا کیا کیجیے۔(آج کل یہاں ہاکی اور فٹ بال کے دو بہت بڑے ٹورنامنٹ ہو رہے ہیں۔ بعدِ دوپہر سارا وقت اُن کی نذر ہو جاتا ہے۔ مزاج من از حالِ طفلی نگشت۔ ۲۰ سال ہاکی کھیلی ہے، اِس قدر خلوص کے ساتھ کہ اُس طرح تو عشق بھی نہیں کیا۔ اب: گو ہاتھ میں جُنبش نہیں، آنکھوں میں تو دم ہے)۔ ہائے ہائے مائل دہلوی کا شعر یاد آ گیا:

مائل! کوئی گناہ نہ رہ جائے ، دیکھنا!
کام آ پڑا ہے رحمتِ پروردگار سے

کلیاتِ اقبال والا مضمون بھی لکھنا ہے، ذرا دم لوں تو قلم اُٹھاؤں ۔ میرے عزیز دوست حسن نعیم ۳ تھے، اُن کا یہ شعر اب اکثر یاد آتا ہے:

کون مجھ سے پوچھتا ہے روز اتنے پیار سے
کام کتنا ہو چکا ہے، وقت کتنا رہ گیا

معلوم نہیں اِس میں حسرت زیادہ ہے یا تمنّا۔

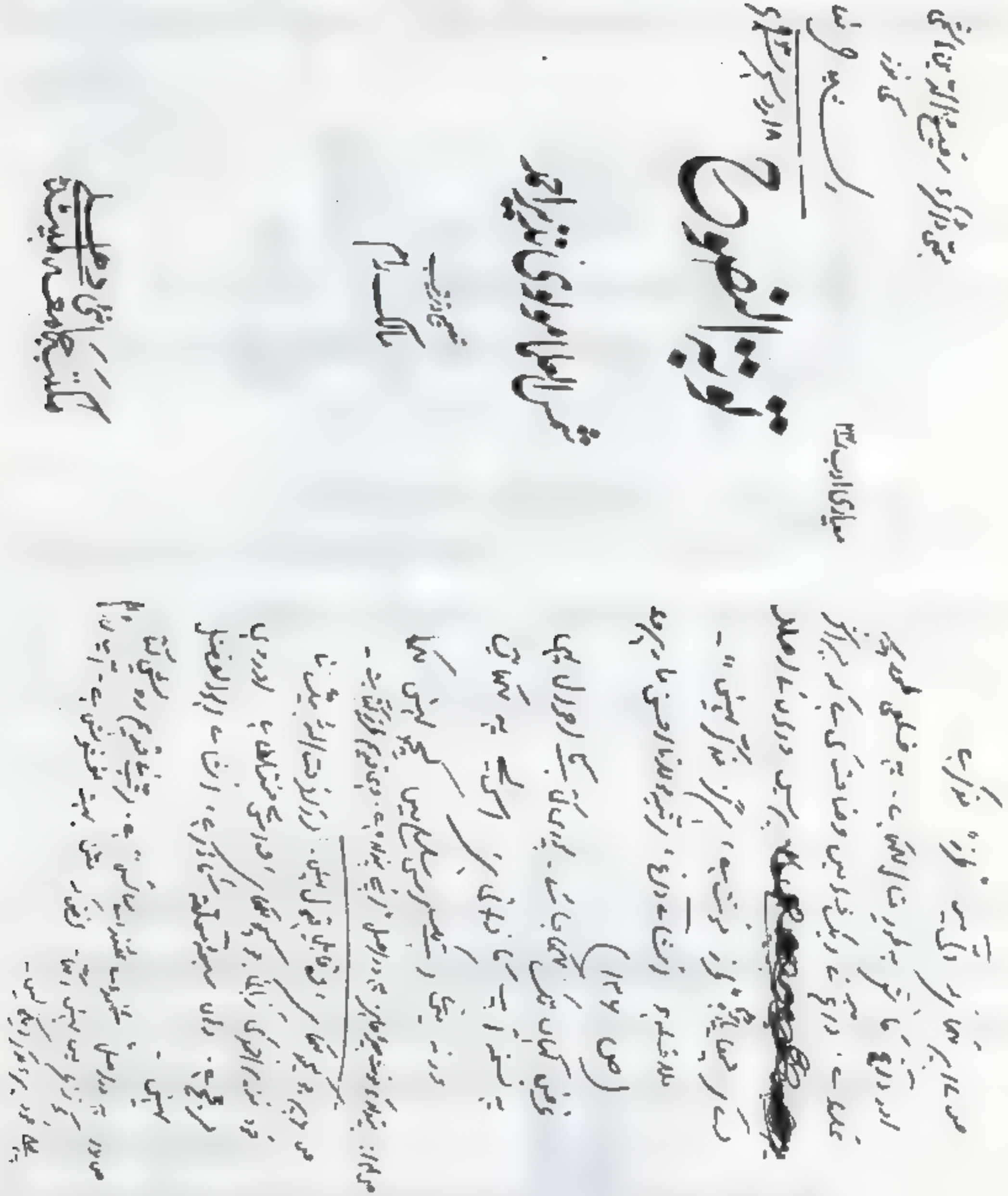
اب میری خطا معاف ہو گئی ہو تو اِس پریشاں نگاری کے جواب سے سرفراز کیا جاؤں اور جلد تر۔

رشید حسن خاں

۱۔ گورنمنٹ کالج جڑانوالہ، ضلع فیصل آباد میں اردو کے لیکچرر عبدالمجید عابد، ہاشمی صاحب کی نگرانی میں ’’توبۃ النصوح کے متون کا تقابلی مطالعہ‘‘ کے موضوع پر ایم فل اردو کا مقالہ لکھ رہے تھے، اس سلسلے میں انھیں توبۃ النصوح کے مذکورہ نسخے کی ضرورت تھی۔ خاں صاحب نے ذاتی نسخہ بھجوا دیا۔ اس نسخے کے اندرونی سرورق کے بالمقابل صفحے پر انھوں نے اپنے مطالعے کے نوٹ لکھ رکھے تھے۔ اِس کا عکس دیا جا رہا ہے۔

۲۔ دیکھیے خط ۸ کا حاشیہ نمبر ا۔

۳۔ ہندستان کے معروف شاعر [پ: ۶ر جنوری ۱۹۲۷ء پٹنہ، وفات: ۲۲ر فروری ۱۹۹۱ء، ممبئی]



معیاری ادب ۲۳

توبۃ النصوح

شمس العلما مولوی نذیر احمد

تصحیح و ترتیب

مالک رام

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

[خط:۱۱]

گائڈ ہال

۴ر جولائی ۱۹۹۴ء

مکرمی ہاشمی صاحب! سلام مسنون۔

آپ کا لفافہ ملا تھا۔ آپ کی ہدایت کے مطابق دوسرا پرچہ فوری طور پر مکتوب الیہ کے نام ڈاک سے بھیج دیا گیا تھا۔

اب مجھے چند معروضات پیش کرنا ہیں:

۱۔ وہ دو کتابچے جن کو صابر کلوروی صاحب چھاپنا چاہتے تھے اور جن کو میں نے آپ کے پاس بھیج دیا تھا، وہ چھپے یا نہیں؟ اگر چھپ گئے تو اصولاً اُن کے دو تین نسخے مجھے ملنا چاہیے تھے۔ اگر نہیں چھپے، تو کب چھپیں گے؟ کیا صابر صاحب اخلاقیات کے قائل نہیں کہ مصنف یا مرتب کو ایک دوسطری خط ہی لکھ دیں۔ خوب ہیں یہ صاحب! ۱

۲۔ انشا اور تلفظ اور عبارت کیسے لکھیں، ان دونوں کو کتابی صورت میں یکجائی طور پر اربابِ نقوش چھاپیں گے، یہ طے ہو چکا ہے۔ آپ نے اِن کے متعلق لکھا تھا، یوں صراحت کی گئی۔ ۲

۳۔ مثنوی گلزارِ نسیم مکمّل ہو گئی۔ کتابت ہو رہی ہے۔ اصل فارسی متن بھی ساتھ ہی چھپے گا۔ تقریباً ۶۵۰ صفحات پر مشتمل ہو گی۔ کیا اِسے کوئی صاحب چھاپنا پسند کریں گے؟ آپ کے پاس پہنچے گی جب بھی چھپے گی، غالباً آخرِ سال تک۔

۴۔ ہاں صاحب! میں نے جو خط آپ کو لکھا تھا کلیاتِ اقبال کے حصّۂ فارسی کے بارے میں، اُس کے متعلق آپ نے لکھا تھا کہ وہ سیّارہ میں چھپے گا، کیا چھپ گیا؟ نہیں، تو کب چھپے گا؟ اگر نہیں چھپے گا تو پھر اُسے میرے پاس فوری طور پر بھیج دیجیے، میں اُسے ذرا سا بدل کر یہاں چھپوا دوں گا۔ سیّارہ کے اربابِ نظر رسالہ مجھے بھیجتے تھے، اب معلوم ہوا کہ سالنامہ [کذا]

چھپ گیا، مگر میں محروم رہا، ناراض ہیں شاید! خیر، یہ بھی سہی، مگر وہ خط تو مجھے واپس مل جانا چاہیے، یا پھر چھپ جانا چاہیے۔ اِس کے متعلق ضرور مطلع فرمائیے۔

۵۔ سیارہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا، تو پھر "کلامِ اقبال کی تدوین" کے موضوع پر میں نے جو کچھ لکھا تھا، اُسے اقدار (کراچی) کو بھیج دیا۔ یہ تحریر یہاں اقبال سیمینار میں پڑھی گئی تھی۔ یوں لکھ رہا ہوں کہ اقدار تو اُدھر آتا ہوگا، آپ کی نظر سے اِس کا گزرنا ازبس ضروری ہے۔ آپ کے حوالے جگہ جگہ آئے ہیں۔ ۳

۶۔ تحسین صاحب کا تبصرہ پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ ۴ خدا اُنھیں مزید توفیق دے؛ لیکن مزید توفیق کے لیے آدمی کا تھوڑا سا گنہ گار ہونا ضروری ہے اور وہ سر سے پیر تک "نیک" بنے ہوئے ہیں۔ خیر، خدا راس لائے۔ اُنھیں الگ خط کیا لکھوں، چند سطریں لکھتا ہوں، آپ ہی کے خط میں لکھے دیتا ہوں، اُنھیں پڑھا دیجیے۔ ۵ اب آپ مفصّل خط لکھیے جس میں نمبر وار سوالات کے جوابات مرقوم ہوں۔ میں نے اب مولوی عبدالواسع ہانسوی کے لُغت غرائب اللّغات کی تدوین کا کام شروع کر دیا ہے، دُعا کیجیے۔

رشید حسن خاں

---

۱ معروف اقبال شناس اور پشاور یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے سابق سربراہ۔ ۱۹۵۰ء میں ایبٹ آباد کے ایک گاؤں کلور میں پیدا ہوئے۔ جامعۂ پنجاب سے باقیاتِ اقبال کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ غازی، مانسہرہ اور ایبٹ آباد کے کالجوں میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۱۹۹۴ء میں پشاور یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو سے وابستہ ہوئے اور وفات ۲۲ مارچ ۲۰۰۸ء تک اسی جامعہ کے ساتھ منسلک رہے۔ یادِ اقبال، اشاریۂ مکاتیبِ اقبال، تاریخِ تصوف (مرتبہ)، اقبال کے ہم نشیں (مرتبہ)، کلیّاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال اور دیگر کئی کتابیں ان کی علمی یادگاریں ہیں۔ کلوروی صاحب، خاں صاحب کی مرتبہ دو کتابیں مرزا فرحت اللہ بیگ اور دہلی کا ایک مشاعرہ شائع کرنا چاہتے تھے۔ خاں صاحب نے اجازت دے دی۔ اِدھر کلوروی صاحب کتابیں شائع نہ کر سکے، نہ خاں صاحب کو معذرت کا خط لکھ سکے۔ اس ضمن میں مزید دیکھیے خط ۸ کا حاشیہ ایک۔

۲ لاہور کے ادارہ نقوش نے خاں صاحب کی دو کتابیں (باغ و بہار ۔ فسانۂ عجائب) شائع کی تھیں اور

اب وہ انشا اور تلفظ اور عبارت کیسے لکھیں چھاپنے کے لیے خاں صاحب سے معاہدہ کر چکے تھے، لیکن بوجوہ نہ چھاپ سکے۔ بعدہٗ لاہور کے بعض ناشرین نے بلا اجازت، غیر قانونی طور پر ان کتابوں کے جعلی اڈیشن چھاپ لیے، اور یہ اَب بھی شائع ہو رہے ہیں۔

۳ دیکھیے: خط ۶ کا حاشیہ نمبر ا۔

۴ فراقی صاحب نے یہ تبصرہ مظفر حسین برنی کی کتاب کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد سوم پر کیا تھا جو اولاً سیارہ لاہور میں شائع ہوا، بعدازاں اُن کے مجموعۂ مقالات اقبال: چند نئے مباحث مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۹۷ء میں شامل ہوا۔

۵ خاں صاحب عموماً ایروگرام لکھا کرتے تھے۔ ہاشمی صاحب کے نام زیرِ نظر خط بھی ایک ایروگرام پر لکھا ہوا ہے۔ اس ایروگرام کے ایک حصے میں انھوں نے مکتوب بنام تحسین فراقی بھی لکھ بھیجا تھا ــــــ یہ وہی مکتوب ہے، جو زیرِ نظر کتاب کے ضمیمے میں شامل کیا جا رہا ہے۔

☆☆☆

[خط:۱۲]

۲۰ راگست ۱۹۹۴ء

ہاشمی صاحب مکرم!

میں آپ کی نگاہِ التفات سے کیوں محروم ہوں؟ کیا قصور، کیا گناہ، کیا تقصیر؟ یہ تیسرا خط ہے۔ کیا یہ بھی محرومِ جواب رہے گا؟

میں نے اِس سے پہلے کے خط میں یہ عرض کیا تھا کہ صابر کلوروی صاحب نے وہ دونوں کتابچے چھاپے یا نہیں۔ اگر چھاپے تو اُن کی دو دو کاپیاں تو مجھے ملنا چاہییے تھیں، کم سے کم۔[1]

میرا خط، جس کے متعلق آپ نے لکھا تھا کہ وہ سیّارہ کے اقبال نمبر حصّہ دوم میں چھپے گا، اُس کا کیا ہوا؟ سیّارہ تو کئی سال سے گویا میرے پاس نہیں آیا۔ کیا آج کل اُدھر بھی ناراضی کی ہوا چل رہی ہے۔

اگر وہ خط نہ چھپے تو از راہِ لطف اُسے، یا اُس کے عکس کو میرے پاس بھیج دیجیے، میں اُس میں اضافہ کر کے یہاں کہیں دے دوں گا۔

آپ کے لفافے میں جو خط تھے، وہ مکتوب الیہم کے لیے حوالۂ ڈاک کر دیے گئے تھے۔ یہ لکھ چکا ہوں کہ گلزارِ نسیم کی ترتیب مکمّل ہو گئی ہے، کتابت ہو رہی ہے۔ تقریباً ۶۵۰ صفحے ہوں گے۔ آپ کے پاس چھپتے ہی پہنچے گی۔

فراقی صاحب کا مضمون ملا تھا؛ آپ کے خط میں اُس کی مفصّل رسید بھی دی تھی۔

کیا اِس خط کے جواب کی اُمید رکھوں!

رشید حسن خاں

---

[1] جیسا کہ سابقہ خط میں ذکر آچکا ہے، کلوروی صاحب کتابیں شائع نہ کر سکے۔

[خط:۱۳]

گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی

۲۴/اپریل ۱۹۹۵ء

مُحبِّ مکرّم!

۷/مارچ کا خط ملا تھا۔ توقع کرتا ہوں کہ اب آپ پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔

گلزارِ نسیم شاید مئی کے آخر تک چھپ سکے۔ آج ہی میں نے جاوید طفیل صاحب ۱ کو خط لکھا ہے اور رجسٹری سے بھیجا ہے۔ اگر اُن کا جواب آیا اور وہ متفق ہوئے تو کتابت شدہ صفحے فوری طور پر اُن کو بھیج دوں گا۔ آپ بھی بات کر لیجیے گا۔

ارے بھائی! یہ صابر کلوروی صاحب تو بالکل سیاسی لیڈروں کے انداز کے آدمی نکلے۔ کہاں تو فرمایش تھی کہ کتاب چھاپیں گے اور اب یہ احوال ہے کہ کچھ بولتے ہی نہیں۔ خوب لوگ ہیں یہ بھی! ۲

اگر اقدار والا مضمون ۳ کسی رسالے میں آپ چھپوا سکیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، تو خوب ہو۔ مجھے اس سے مطلع ضرور کیجیے گا۔

املا اور انشا والی کتاب کے مسوّدے کی تصحیح کر کے سال بھر پہلے میں جاوید صاحب کو بھیج چکا ہوں۔ اب وہ جب بھی چھاپیں اور چھاپیں یا نہ چھاپیں۔ ۴

سیّارہ کا اقبال نمبر حصّہ دوم بہ قولِ غالب ''چھپے گا بالفتح یا چھپے گا بالضم''۔ اب کے سال نامہ میرے پاس نہیں آیا۔ خیر، میں خود کون سا تیز قلم ہوں، اُن کے لیے کچھ لکھا ہی نہیں، لیکن صدیقی صاحب محترم ۵ کی وضع داری پر اعتماد تھا اور ہے۔

صاحب من! اس بار خط ذرا جلد لکھ دیجیے، تا کہ تشویش رفع ہو۔ مخلص

رشید حسن خاں

---

۱ محمد طفیل مرحوم (مدیر: نقوش) کے صاحب زادے اور نقوش پریس کے مالک۔ خط ۱۱ کا حاشیہ ۲ دیکھیے۔

۲ دیکھیے خط ۸ کا حاشیہ نمبر ایک، نیز خط ۱۱ کا حاشیہ نمبر ایک

۳ ''کلامِ اقبال کی تدوین''

۴ دیکھیے خط ۱۱ کا حاشیہ نمبر ۲۔

۵ مولانا نعیم صدیقی [۱۹۱۶ء — ۲۰۰۲ء] اصل نام فضل الرحمان؛ شاعر، نثر نگار، صحافی اور ممتاز عالمِ دین۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے قریبی ساتھی اور جماعتِ اسلامی کے بنیادی رُکن۔ متعدد کتابوں کے مصنّف و مولف اور سیّارہ، چراغِ راہ اور ترجمان القرآن کے مُدیر۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں: محسنِ انسانیت، رسولؐ اور سُنّتِ رسولؐ، اقبال اور نظریۂ پاکستان، معرکۂ دین و سیاست، شعلۂ خیال، پھر ایک کاروان لُٹا، وہ سورج بن کر ابھرے گا، نور کی ندیاں رواں، خون اور بارود۔

☆☆☆

[خط:۱۴]

T.C.9,Gwyer Hall,
Delhi University,
Delhi

۷/دسمبر ۱۹۹۵ء

مُحِبّی! سلام مسنون۔

آپ کا مرقومہ ۲۵/نومبر ملا جو استامبول سے آپ نے بھیجا تھا۔ ا باضابطہ دعوت نامہ بھی مل گیا تھا اور میں نے رجسٹرڈ خط رسید کے طور پر اور منظوری کی اطلاع دینے کے لیے لاہور آپ کے نام بھیج دیا تھا اورینٹل کالج کے پتے پر۔

التوا کی اطلاع ملی۔ نئی تاریخوں سے مطلع فرمائیے۔ میں ضرور شرکت کروں گا۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ویز[ویزا] کیسے مل سکے گا؟ جو خط آپ نے بھیجا ہے، یعنی دعوت نامہ، اُس کی بنیاد پر تو نہیں مل سکتا۔ میں نے معلوم کیا تھا۔ بیگم ممتاز مرزا صاحبہ میرے ایسے کام بہ خوبی انجام دیا کرتی ہیں، وہ ناکام رہیں۔ جب تک آپ ہائی کمیشن کو خط نہیں لکھیں گے جس میں میرا نام بھی مدعوئین [کذا] میں شامل ہو، اور اُس خط کی نقل مجھے نہیں بھیجیں گے، تاکہ ویزا فارم کے ساتھ اُسے منسلک کیا جاسکے۔ اُس وقت تک ویزا نہیں مل سکتا۔ اب اِس کی تدبیر آپ کیجیے۔ آزاد صاحب کو مطلع کرادیا تھا التوا سے۔

ہاں صاحب! میں یہاں دہلی میں، جنوری کے اواخر تک رہوں گا۔ فروری میں، یعنی اُس کے اوائل میں مستقلاً شاہ جہاں پور منتقل ہو جاؤں گا۔ وہاں کا پتا یہ ہے:

R.H.Khan
167-BAROOZAI___ II,
SHAH JAHAN PUR
(U.P) Pin:242001,
(India)

نیا دعوت نامہ مع نقلِ خط جلد تر بھیجیے۔ گلزارِ نسیم چھپ گئی۔آپ کے لیے لیتا آؤں گا۔ویز[ویزا] لانے کا انتظام بیگم ممتاز مرزا کریں گی، اس لیے نیا دعوت نامہ آپ اُنھی کے پتے پر بھیجیے گا۔اُن کا پتا ہے:

بیگم ممتاز مرزا صاحبہ

G/6,Nizamuddeen(west)

N.Delhi__ 110013

اور ایک ذاتی خط مجھے بھی لکھ دیجیے گا۔مگر ابھی تو اواخرِ جنوری دور ہے۔آپ جلد خط بھیجیں تو گائڑ ہال ہی کے پتے پر بھیج سکتے ہیں۔بہ ہر حال، جو مناسب صورت ہو، اختیار کیجیے۔میں منتظر رہوں گا۔آپ کی فرمایشی کتابیں ساتھ لیتا آؤں گا۔چشم براہ[کذا] ہوں۔ ۲

ہاں! ''تدوینِ کلامِ اقبال'' والا مضمون یہاں ایوانِ اُردو (دہلی) ۳ میں چھپا تھا۔ اب تک اُس کا چرچا ہو رہا ہے۔خاصا دل چسپ اور توجہ طلب ثابت ہوا۔

رشید حسن خاں

---

۱ بلدیہ استامبول (ترکی) نے ایک سہ روزہ بین الاقوامی اقبال کانفرنس (۳۰ر نومبر تا ۲ر دسمبر ۱۹۹۵ء) کا انعقاد کیا تھا۔ان دنوں ترکی کے موجودہ وزیرِ اعظم رجب طیب اردگان بلدیہ استامبول کے میَر تھے۔اس کانفرنس میں پاکستان سے ڈاکٹر جاوید اقبال اور ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کے علاوہ ڈاکٹر ہاشمی صاحب بھی شریک ہوئے اور انگریزی میں ایک مضمون بہ عنوان: Iqbal:Islamic Resurgence & Muslim World پڑھا۔کانفرنس میں پڑھے گئے مقالات کے ترکی ملخص کتابی صورت میں شائع ہوئے۔اس مجموعے کا نام MUHAMMED IKBAL KITABI ہے۔ہاشمی صاحب نے سفرِ ترکی کی مختصری روداد ''استامبول میں یادِ اقبال'' کے عنوان سے تحریر کی جو روزنامہ نوائے وقت لاہور کے شمارے ۱۰۔مئی ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔

۲ ۱۹۹۵ء میں اورینٹل کالج کے ۱۲۵ویں یومِ تاسیس کے موقع پر ایک عالمی سیمی نار کا خاکہ تیار کیا گیا جس کے دعوت نامے بھی تقسیم کیے گئے مگر بہ وجوہ یہ سیمی نار منعقد نہ ہو سکا۔

۳ ایوانِ اردو، دہلی کی اُردو اکادمی کا ماہ وار علمی و ادبی رسالہ ہے۔

☆☆☆

[خط:۱۵]

۱۶۷۔ بازوزئی دوم
شاہ جہاں پور(یوپی)
Pin:242001

۱۹/ اگست ۱۹۹۶ء

حضرت سلامت!

اورنگ زیب عالم گیر صاحب ۱ کا بھیجا ہوا ایک پیکٹ ملا۔ اُس میں کلیّاتِ اقبال کے عکس بھی تھے۔ مگر میری آنکھیں اُس ''خاص الخاص اڈیشن'' سے روشن نہیں ہو سکی ہیں جس کی مجلسِ مشاورت میں میں بھی [شامل] ہوں۔ ۲ یہ تو سراسر ظلم ہے۔ کیا آپ میری سفارش وحید قریشی صاحب سے کر سکتے ہیں کہ اُس اڈیشن (کلیاتِ فارسی و اُردو) کا وہ نسخہ مجھے بھی ملنا چاہیے جسے نئے اہتمام کے ساتھ اور ترمیموں کے ساتھ دوبارہ چھاپا گیا ہے۔ یہ تو گویا ایک نیا اڈیشن بن گیا ہے۔ ہاشمی صاحب! کسی طرح اِسے بھجوائیے، کُچھ کیجیے۔ ۳

آپ سے ملاقات کا اشتیاق ہے، مگر کیا کروں، سمینار آپ کا ملتوی ہو گیا۔ کچھ اُس سلسلے میں بھی کیجیے تا کہ ملاقات کی صورت تو نکلے۔ میں نے اِس دوران، یعنی گلزارِ نسیم کے بعد مثنویاتِ نوّاب مرزا شوق لکھنوی (فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق) کا کام کر لیا۔ کتابت بھی تقریباً مکمّل ہو گئی ہے۔ اِس سال کے اواخر تک چھپ سکے گی۔ ۴ آپ کے پاس پہنچے گی۔ گلزارِ نسیم تو آپ کو مل چکی ہے نا!

اب اِسی ماہ سے سحر البیان کا کام شروع کیا ہے۔ اِس کے بعد ہانسوی کی غرائب اللّغات کو مرتّب کروں گا۔ اگر آپ ضروری سمجھیں تو اِس صفحے کا آخری ٹکڑا وحید قریشی صاحب کو بھیج سکتے ہیں، مگر آپ کی زبانی سفارش بھی ضروری ہے۔ ڈاک سے کتابیں آ جا رہی ہیں۔

آپ کا نیاز مند

رشید حسن خاں

---

۱ محقق اور استاد ادبیاتِ اُردو۔[پ:۲۹/اکتوبر۱۹۵۳ء]۱۹۷۵ء میں اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور سے ایم اے اُردو اور ۱۹۹۰ء میں جامعہ پنجاب، لاہور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ازاں بعد پنجاب آرٹ کونسل لاہور میں ریزیڈنٹ ڈائریکٹر کے فرائض انجام دیتے رہے۔۱۹۹۳ء میں اورینٹل کالج، لاہور سے بہ طور لیکچرر وابستہ ہوئے۔ان دنوں پروفیسر ہیں اور یونی ورسٹی کے اڈیشنل رجسٹرار کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

۲ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور نے کُلیاتِ اقبال (اُردو) کی اشاعت کا اہتمام کیا جس کی مجلسِ مشاورت میں رشید حسن خاں صاحب کا نام بھی شامل تھا۔مجلسِ مشاورت کے باقی ارکان کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، صابر کلوروی، ڈاکٹر تحسین فراقی، محمد اکرام چغتائی، محمد سہیل عمر، ڈاکٹر وحید عشرت۔اس اشاعت کے نگرانِ اعلا پروفیسر محمد منور تھے۔یہ کلیات پہلی بار ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی۔

۳ دونوں کلیات، خاں صاحب کو بھجوا دیے گئے تھے۔

۴ مثنویاتِ شوق [فریب عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق]انجمنِ ترقیِ اُردو (ہند)، نئی دہلی کے زیرِ اہتمام ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔

☆☆☆

[خط:۱۶]

167- BAROOZAI - II,
Shahjahanpur-242001
(U.P)

۶ر جنوری ۱۹۹۷ء

نیا سال مبارک ہو۔

مُحبِّ مکرّم! آداب

چار پانچ دن پہلے آپ کا خط ملا۔ اس عنایت کے لیے ممنون ہوں اور شکر گزار۔ آپ یاد کر لیتے ہیں، اِس سے جی بہت خوش ہوتا ہے اور چند روز کے لیے حوصلہ بڑھ جاتا ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے، کہ اسی طرح مجھ جیسے دُور افتادہ کو یاد کرتے رہیں اور داخلِ حسنات ہوتے رہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ کلیّاتِ اقبال کے دو سیٹ مجھے اکتوبر میں بھیجے گئے تھے اور سیّارہ کا اقبال نمبر بھیجا گیا ہے؛ یہ مانے لیتا ہوں کہ یہ سب سچ ہے، ایسا ہی ہوا ہوگا، کیوں کہ آپ نے لکھا ہے؛ مگر بھائی! یہاں تو کچھ بھی نہیں پہنچا۔ نہ کلیات، نہ سیّارہ، نہ نقوش کا خاص نمبر۔

معلوم نہیں کیا پیچ پڑا ہے۔ کلیات کا اور سیّارہ کے نمبر کا شدید انتظار ہے۔ آپ میرے کرم فرما ہیں اور میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور لحاظ کرتے ہیں؛ اِس لیے آپ ہی سے کہہ سکتا ہوں کہ ذرا بہ طورِ خود دیکھ لیجیے کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ کس نے بھیجا، کب بھیجا اور کہاں بھیجا۔ میں پچھلے ہفتے دہلی میں تھا، غالب ہال کے اُسی کمرے میں قیام تھا، وہاں جو ڈاک آتی ہے، وہ محفوظ رہتی ہے۔ وہاں بھی کچھ نہیں تھا۔ ۲۸ر دسمبر کو میری واپسی ہوئی ہے ایک ہفتہ قیام کے بعد۔ غالب سیمنار میں شرکت کرنا تھی۔ اگر بھیجا گیا ہوتا تو ضرور پہنچتا۔ ابھی ڈاکٹر عالم گیر اورنگ زیب [کذا] نے مثنوی زہرِ عشق مرتبہ عشرت رحمانی کا مکمل عکس ڈاک سے بھیجا، رجسٹرڈ، آٹھویں دن پہنچ گیا۔ خط تو آ ہی رہے ہیں۔ کتابیں بھی میرے پاس تو برابر آ رہی ہیں، پھر وہی پیکٹ کیوں نہیں آیا۔

ہاشمی صاحب! میری خاطر آپ ذرا اس معاملے کو دیکھ لیجیے، بہت ممنون ہوں گا۔

نئی کتاب مثنویاتِ شوق شاید دو ماہ کے بعد چھپ سکے گی۔ ناشر کے حوالے کردی گئی ہے۔ اب سحر البیان کو مرتب کرنے کا کام شروع کردیا ہے۔ گلزارِ نسیم کے لیے آج ہی دہلی لکھا ہے کہ ایک جلد رجسٹری سے فوری طور پر آپ کے نام بھیج دی جائے۔ ضرور پہنچے گی۔ ملتے ہی رسید سے مطلع کیجیے گا۔ آپ کے خط کا شدید انتظار رہے گا تاکہ اُس پیکٹ کا احوال معلوم ہو سکے۔ اور ہاں، وہ صابر کلوروی صاحب نے کیا فیصلہ کیا! [1]

رشید حسن خاں

---

[1] جیسا کہ سابقہ اوراق میں ذکر آچکا ہے کہ کلوروی صاحب، خاں صاحب کی مرتبہ کتابیں شائع نہ کر سکے تھے۔

☆☆☆

[خط:۱۷]

167۔ باڑوزئی دوم،
شاہ جہاں پور
۱۷؍جنوری ۱۹۹۷ء

مُحبِّ مکرّم!

میں آپ کے خط کا جواب لکھ چکا ہوں، علاحدہ سے بھی اور ایک خط احمد ندیم قاسمی صاحب [۱] کے لفافے میں آپ کے نام کا بھیجا تھا، اس کے ساتھ ساتھ دہلی خط لکھ دیا تھا کہ گلزارِ نسیم کی ایک جلد فوری طور پر آپ کے نام بھیج دی جائے۔

اب یہ فرمائیے کہ:

[۱] کتاب ملی یا نہیں؟ (۲) یہ لکھ چکا ہوں کلیاتِ اقبال والا کوئی پیکٹ یہاں نہیں پہنچا۔ میں وہاں کسی سے واقف نہیں، آپ ہی کے توسّط سے کچھ کہہ سکتا ہوں۔ تو بھائی! کلیات کو بجھوائیے۔ میں اُس کے لیے چشم بہ راہ ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا کہنا ضرور اثر کرے گا۔

(۳) سیّارہ کا نمبر اب تک نہیں ملا، حالاں کہ یہ تو مجھے سب سے پہلے ملنا چاہیے تھا۔ دراصل مجھے آپ کے استدراک کو دیکھنے کی جلدی ہے اور اشتیاق بے حد ہے۔

تو اب آپ کے خط، سیّارہ اور کلیاتِ اقبال (دونوں قسم کا) اِن سب کی راہ دیکھوں گا۔

مخلص

رشید حسن خاں

---

[۱] نام وَر شاعر، افسانہ نویس، ادیب اور دانش ور۔ پیدائش: ۲۰؍نومبر ۱۹۱۶ء [انگہ تحصیل خوشاب ضلع شاہ پور] وفات: ۱۰؍جولائی ۲۰۰۶ء [لاہور]۔

☆☆☆

[خط:۱۸]

شاہ جہاں پور

۱۱رفروری ۱۹۹۷ء

مُحبِ مکرّم!

کل وہ پیکٹ مل گیا جس کا حوالہ آپ نے دیا تھا۔ اُس میں کلیّاتِ اقبال بھی تھا اور اقبالیات ۱ اور اقبال ریویو ۲ کے شمارے بھی۔ یہ کام آپ کے التفات کے نتیجے میں ہوا ہے، اِس لیے بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔

لیکن پریشانی کی بات یہ ہے کہ سیارہ کا وہ خاص نمبر اب تک نہیں آیا جس میں میرا خط ہے اور آپ کا استدراک۔ اِس کا بہت انتظار ہے۔ یہ کام بھی آپ کے التفات اور خصوصی توجہ کے بغیر نہیں ہو سکے گا۔ توقّع کرتا ہوں کہ آپ اِس سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

میں آج کل مثنوی سحر البیان کے نسخے (خطّی) جمع کر رہا ہوں۔ شاید چار یا چھ ماہ بعد متن کا کام شروع ہو سکے گا۔ مثنویاتِ شوق ہنوز نہیں چھپی۔ گلزارِ نسیم اب تک پہنچ چکی ہوگی۔ میں نے دہلی تاکیدی خط لکھا تھا۔ مثنویاتِ شوق چھپتے ہی آپ کے پاس پہنچے گی۔

ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر سے اگر ملاقات ہو تو میرا سلام کہیے اور یہ بھی کہ میں نے اُن کو ایک رجسٹرڈ خط لکھا تھا۔ فراقی صاحب سے بھی سلام کہہ دیجیے۔ اِس کا ہلکا سا امکان ہے کہ نومبر یا دسمبر میں کراچی آنا ہو، ڈاکٹر فرمان فتح پوری ۳ کے بلاوے پر؛ اگر حالات درست رہے اور ویزا مل گیا تو پھر لاہور بھی دن بھر کے لیے ضرور آؤں گا محض آپ سے ملاقات کے لیے اور بعض دیگر احباب سے ملنے کے لیے۔ ۴

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

۱ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کا شش ماہی اُردو جریدہ۔

۲ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور کا شش ماہی انگریزی رسالہ۔

۳ نام ور محقق، نقاد اور اُردو ادبیات کے اُستاد۔ اصل نام سید دلدار علی ہے۔ آپ فتح پور ہنسوا میں ۲۶ رجنوری ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں آگرہ یونی ورسٹی سے بی اے، ۱۹۵۳ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ایل ایل بی، ۱۹۵۸ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ایم اے اُردو، ۱۹۶۴ء میں پی ایچ ڈی اور ۱۹۷۲ء میں ڈی لٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ علمی اور ادبی موضوعات پر دو درجن سے زیادہ کتب تحریر کیں، چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: تدریسِ اُردو، تحقیق و تنقید، اُردو کی منظوم داستانیں، اُردو شعرا کی تذکرہ نگاری، غالب شاعرِ امروز و فردا، اُردو کی نعتیہ شاعری، اُردو املا اور رسم الخط، ہندی اُردو تنازع، زبان اور اُردو زبان، اقبال سب کے لیے اور اُردو رُباعی کا فنی و تاریخی مطالعہ۔

۴ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اُنھیں ''نیاز و نگار'' کی سالانہ تقریب میں دعوت دی تھی مگر خاں صاحب بہ وجوہ تشریف نہ لا سکے۔

☆☆☆

[خط:۱۹]

167- BAROOZAI - II,
Shahjahanpur-(u.p)
Pin:242001

۲راپریل ۱۹۹۷ء

محبی ہاشمی صاحب!

سیّارہ کے دو شمارے ملے، ایک شمارے میں آپ کا استدراک بھی ہے، میری پریشاں نگاری کے ساتھ۔ اِسے پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ میرے متعلق جو کلماتِ تحسین آپ نے لکھے ہیں، ہر چند میں اپنے تئیں اُن کا مصداق بننا دور کی بات سمجھتا ہوں، اس کے باوجود آپ کی دل سوزی اور تعلقِ خاطر کا معترف ہوں۔ مگر اِس سب کے باوصف میرا خیال یہی ہے کہ کلیاتِ اقبال کا کوئی تحقیقی اڈیشن شاید مرتب ہو نہیں سکے گا، اس کی شاید کسی کو ضرورت ہی نہیں۔ یہ ہم آپ جیسے چند شوریدہ سروں کا نعرۂ مستانہ ہے اور بس۔ حیرت ہوتی ہے اِس علمی قحط پر اور اِس ظاہر پسندی پر۔ شاید تدوین سے ابھی تک ذہن آشنا نہیں اور مزاجوں کو تحقیق سے مناسبت کم سے کم پیدا ہو پائی ہے۔ ہر طرف یہی احوال ہے کہ: نقش و نگارِ پردۂ در دیکھتے رہے۔

دہلی سے خط آیا تھا کہ گلزارِ نسیم کی ایک جلد آپ کے نام بھیج دی گئی ہے۔ توقع کرتا ہوں کہ پہنچ گئی ہو گی۔ از راہِ لطف اِس کی رسید سے ضرور مطلع کیجیے، تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے۔ ایسی کتابیں آپ جیسے دیدہ وَر تک نہیں پہنچیں گی تو پھر اُنھیں کون دیکھے گا۔ خط ضرور لکھیے۔ یہ خط مشفق خواجہ صاحب کے لفافے میں رکھا گیا ہے، یقین ہے کہ بہ حفاظت آپ تک پہنچ جائے گا۔ یہ لکھ چکا ہوں کہ مثنویاتِ شوق (فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق) مرتب ہو چکی ہیں۔ ناشر کو دے دی گئی ہیں۔ چھپتے ہی یہ جلد بھی آپ کے پاس پہنچے گی۔ آج کل سحر البیان

کے مختلف خطّی نسخے جمع کر رہا ہوں، اب اِس کا نمبر ہے۔ میری صحت ٹھیک نہیں۔ ڈیڑھ ماہ بمبئی میں رہ کر آیا ہوں، کینسر کا شبہ تھا ڈاکٹروں کو، بہت سے ٹسٹ ہوئے، وہ تو نہیں نکلا، ہاں یہ معلوم ہوا کہ T.B. ہے۔ اُس کا علاج آج کل ہو رہا ہے۔ چھے ماہ کا کورس ہے۔ آپ کی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے۔ تحسین فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ اُن سے دنوں سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا ہے، مگر اُن کی یاد سے کبھی غافل نہیں رہا۔ اِس وقت بھی اُن کو یاد کر رہا ہوں۔ مکاتیب اقبال پر اُن کا تبصرہ پڑھ کر جی خوش ہو گیا تھا، ۲ یوں کہ اُس سے معلوم ہوا کہ وہ تو دراصل میرے ہی قبیلے کے فرد ہیں، بس گم شدہ تھے، اب ہاتھ آئے ہیں۔ خداے پاک اُن کی توفیق میں مزید اضافہ کرے۔ کوئی تو اِس راستے کا راہی سامنے آئے۔

رشید حسن خاں

---

۱ دیکھیے: خط ۶ کا حاشیہ نمبر ایک۔

۲ دیکھیے: خط ۱۱ کا حاشیہ نمبر ۴۔

☆☆☆

[خط:۲۰]

167۔ باڑوزئی دوم،
شاہ جہاں پور

۱۷؍اپریل ۱۹۹۷ء

مُحبِّ مکرّم!

۱۷؍فروری کا خط مجھے اب، یعنی ۱۴؍اپریل کو ملا ہے۔ اِس دوران میں دو خط بھیج چکا ہوں۔ کلیاتِ اقبال کی رسید بھی بھیج چکا ہوں۔ تعجب ہے کہ میرا کوئی خط آپ تک نہیں پہنچا۔ سیّارہ بھی مل گیا تھا۔ آپ کی تحریر پڑھ لی تھی اور اُس سے متعلق پسندیدگی کی تفصیل بھی ایک خط میں لکھ چکا ہوں۔

انشا اور تلفّظ کے لیے آپ نے لکھا ہے۔ ارے صاحب! وہ پہلی دونوں کتابیں کہاں ہیں؟ صابر کلوروی صاحب تو اِس قدر خوش اخلاق ثابت ہوئے کہ اُنھوں نے دو سطری خط لکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ [1]

جامعۂ اُردو علی گڑھ کے لیے میں نے املا پر ایک نئی مختصر سی کتاب مرتّب کی ہے۔ اُس کی کتابت ہوگئی ہے۔ یہ وہاں کے نصاب کے لیے ہے۔ یہ بالکل نئی چیز ہے۔ مباحث وہی سب پُرانے ہیں۔ اِس میں اشاریۂ الفاظ بھی شامل ہے۔ اگر اس کے لیے آپ کسی مردِ معقول کو منتخب کریں تو کتابت شدہ صفحات میں بھیج سکتا ہوں آپ کے نام۔ باقی آپ جانیں۔ وہی بات کہ: تو دانی حسابِ کم وبیش را۔ آپ جس کو چاہیں، اُس کی اجازت دے دیں۔

فرمان صاحب کا خط آیا تھا۔ دسمبر میں نیاز لکچر کے سلسلے میں دعوت دی ہے۔ اگر حالات رو براہ[کذا] رہے تو اُدھر کا پھیرا ہوگا، مگر مشکل یہ ہے کہ لاہور آنے کی کوئی صورت نہیں نکل سکے گی شاید۔ کہاں قیام ہوگا اور کس بہانے۔ اِس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ ہوسکتا ہے

آپ ہی کو کراچی بُلانے کی صورت نکال لی جائے۔ مقصود تو ملاقات ہے۔ ۲

ہاں! انجمن نے گلزار نسیم کی ایک جلد رجسٹری سے بھیجی تھی۔ مہینا بھر پہلے۔ اُس کی رسید اب تک نہیں ملی۔ کیا اب بھی نہیں ملی؟ اِس سے فوری طور پر مطلع فرمائیے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

---

۱ ڈاکٹر صابر کلوروی صاحب نہایت روادار، خوش اخلاق اور مہذب انسان تھے اور علمی و ادبی کاموں میں نہایت مستعد۔ خدا جانے ■ خاں صاحب کو کتابوں کی اشاعت سے متعلق معذرت کا خط کیوں نہ لکھ سکے۔ مزید دیکھیے: خط ۸ کا حاشیہ نمبر ایک۔ نیز: خط ۱۱ کا حاشیہ نمبر ایک۔

۲ دیکھیے: خط ۱۸ کا حاشیہ نمبر ۴۔

☆☆☆

[خط:۲۱]

167۔باڑوزئی دوم،
شاہ جہاں پور(یو۔پی)

[۷رجولائی ۱۹۹۷ء] ۱

مُحبِّ مکرّم!

دہلی سے آپ کا خط ملا۔ایک خط اس سے پہلے لاہور سے ملا تھا۔اِس التفاتِ پیہم کے لیے شکر گزار ہوں۔

کیا عرض کروں کہ آپ سے ملاقات کی کیسی شدید خواہش تھی ،لیکن صحت ،دوا،علاج اور بعض گھریلو حالات نے اِتنی مہلت نہ دی کہ دہلی آسکتا،اِس کا بہت افسوس ہے۔ ۲

۳۲ سال تک جس شعبے میں کام کیا،اب میں اُس کے لیے قطعی طور پر اجنبی ہوں،وجہ صرف یہ ہے کہ جاہلوں کی ستایش نہیں کر سکا اور اُنھیں اقبال شناس نہیں مان سکا۔اور اس کا اظہار بھی برملا کرتا رہا۔ایسے اظہار کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے ،کیا کیا جائے؛ تقیہ کرنا میرا شیوہ نہیں اور قبولِ عام سے ہمیشہ نفور رہا ہوں۔زہرِ ہلاہل کو کبھی قند نہ کہہ سکا۔

تحسین فراقی صاحب سے میرا سلام کہیے،اُن سے بھی ملاقات نہ ہونے کا سخت افسوس ہے۔مثنوی سحر البیان کی تدوین کا آغاز کر دیا ہے۔دیکھیے دو چار سال میں یہ کام بھی ہو ہی جائے گا۔وہاں ہوتا تو آپ کی رہ نمائی میں اور آپ کی شراکت میں اقبال کا کلام مرتّب کرتا۔لفظوں کے تو تا مینا بنانا آسان ہے سو اب یار لوگ اِسی آسانی کا شکار ہیں۔سحر البیان کے بعد غرائب اللغات کو مرتّب کرنے کا خاکہ بنایا ہے۔دُعا کیجیے کہ یہ کام مکمّل ہو سکیں۔میری بیماری نے اصل میں بہت نقصان پہنچایا ہے۔گلے میں دو گلٹیاں تھیں۔ایک کا تجزیہ بمبئی میں مارچ کے مہینے میں کرایا تھا۔کینسر کے اجزا تو نکلے نہیں،ٹیوبر کلوسس کے اجزا ضرور نکلے۔اُس کا علاج

ہو رہا ہے۔ اب دو ماہ بعد پھر بمبئی جاؤں گا دوسری گلٹی کا تجزیہ کرانے کے لیے۔ دُعا کیجیے ابھی سے کہ وہ معاملہ بھی بہ خیر ہو۔ بمبئی میں بعض احباب جاں نثار ہیں، سو سارا خرچ وہی برداشت کرتے ہیں۔ یہ محض خدا کا فضل ہے، ورنہ یہ سب کچھ میری استطاعت سے باہر تھا۔

''املاے غالب'' پر ایک مضمون لکھا ہے، کہیں چھپ گیا تو اُس کی ایک کاپی آپ کو بھیجوں گا۔ ۳ موسم یہاں بہت صبر آزما ہے، اکتوبر کا مہینا آئے تو ذرا سکون حاصل ہو، تب کام کی رفتار بھی بڑھے گی۔ گھر پر یہاں میرے پاس جو کمرا ہے، وہ بہت تنگ ہے، حبس بلا کا رہتا ہے، اور یہاں بجلی ۲۴ گھنٹوں میں ۸ گھنٹے لازماً غائب رہتی ہے۔ غرض کہ صبر آزمائی کے سارے انتظامات موجود ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ کام بھی ایسے ہی حالات میں ہوتا ہے، خدا اِن کو برقرار رکھے۔ آرام کے سامان زیادہ ہوں تو پھر ذہن اِدھر اُدھر بھاگتا ہے۔ آپ آج کل کیا کر رہے ہیں؟ کلیاتِ اقبال کی تدوین کا کام کیوں نہیں شروع کرتے۔ حُسنِ اتفاق سے آپ لاہور میں ہیں اور سارے مصادر و مآخذ وہیں ہیں۔ کام بھی آپ کے ڈھب کا ہے اور اس کا مجھے یقین ہے کہ آدابِ تدوین کی پابندی کے ساتھ اِسے کوئی دوسرا شخص نہیں کر پائے گا۔ اِس لیے میری راے بھی ہے اور خواہش بھی کہ کام کا آغاز آپ کر دیں۔ چھے سات سال میں مکمّل ہو ہی جائے گا چوں کہ بہت سا کام آپ پہلے ہی مختلف عنوانات سے کر چکے ہیں، اِس لیے پانچ سال میں بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو مجھے بے حد مسرّت ہوگی اور یہ دراصل ایک فرض کی ادائگی [کذا] ہوگی۔

رشید حسن خاں

---

۱ اس خط پر خاں صاحب، خلافِ معمول، تاریخ لکھنا بھول گئے۔ میں نے ہاشمی صاحب کے سفرِ دہلی (جون ۱۹۹۷ء) اور زیرِ نظر خط پر ڈاک خانے کی مُہر (۷ رجولائی) سے اس کی تاریخِ تحریر متعین کی ہے۔

۲ ۱۹۹۷ء میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے زیرِ اہتمام سہ روزہ اقبال انٹرنیشنل سیمی نار [۱۰ تا ۱۲ جون] منعقد ہوا تھا۔ اس میں پاکستان سے ڈاکٹر تحسین فراقی اور پروفیسر ایوب صابر کے علاوہ ہاشمی صاحب بھی شریک ہوئے۔ ہاشمی صاحب نے اس سیمی نار میں ''خطباتِ اقبال: تفہیم، رجحانات، معنویت'' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ سفرِ دہلی کی روداد ''دہلی میں اقبال سیمی نار'' کے عنوان سے رسالہ اقبالیات ___ لاہور کے شمارہ جولائی ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی۔ خاں صاحب چوں کہ شاہ جہاں پور میں تھے اس لیے ہاشمی صاحب کی اُن سے ملاقات نہ ہو سکی۔

۳ خاں صاحب نے بعد میں اس موضوع پر ایک کتاب رقم کی جو املاے غالب کے ہی عنوان سے اولاً دہلی اور بعدہٗ ۲۰۰۰ء میں ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی سے شائع ہوئی۔

[خط: ۲۲]

شاہ جہاں پور
۱۲/اپریل ۱۹۹۸ء

مُحبِّ مکرّم!

۱۴/مارچ کا خط ملا تھا۔ یاد آوری کے لیے شکر گزار ہوں۔ علاج تو ہو ہی رہا ہے اور کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی رہے گا، اِس لیے علاج بھی جاری رہے گا۔ اب موسم دوا علاج ہی کا آ گیا ہے۔ کام بہ ہر طور ہو رہا ہے۔ سحر البیان کا نصف سے زیادہ کام مکمّل ہو چکا ہے۔ ڈیڑھ برس سے یہی کام ہو رہا ہے۔ ابھی سال بھر کا وقت اور لگے گا۔ اِس سال کے آخر تک غالباً یہ کام مکمّل ہو جائے گا، اگر حالات نے کسی طرح کی نامساعدت نہ کی۔ اِس کے بعد مولانا عبدالواسع ہانسوی کے لغت غرائب اللّغات کی تدوین کا کام شروع ہوگا۔ خانِ آرزو نے ''اَصحِ السنہ زبانِ گوالیاری'' کے پھیر میں اِس مصنّف کے ساتھ بڑی ناانصافی کی اور رہی سہی کسر ڈاکٹر سیّد عبداللہ ۱ نے پوری کر دی کہ وہ فنِ لغت سے کم آشنا تھے۔ یہ دونوں کام ہو گئے تو گویا سب کچھ ہو گیا۔ اساتذۂ کالج سے متعلق نمبر ملا تھا۔ ۲ یہ آپ کن فضولیات میں الجھتے رہتے ہیں۔ ایسے کام اب آپ کے لیے نہیں، کچھ نہ کرنے والوں کے لیے ہیں۔ اُنھیں کرنے دیجیے۔

لکھا کلیات نہ سہی، آپ اقبال کا کوئی ایک مجموعہ تو بہ طورِ مثال و معیار مرتّب کر دیجیے، تاکہ بعد کو دوسرے لوگ اُسے سامنے رکھ کر کچھ کر سکیں (اگرچہ ''دوسرے لوگ'' جو ایسا کام کر سکیں، کم یاب ہیں)۔ کسی مختصر مجموعے کو لے لیجیے۔ مثلاً بالِ جبریل سے آغاز کیجیے۔ ایک بار معلوم تو ہو یار لوگوں کو، کہ تدوین کا کام کیسے کرنا چاہیے۔ سب کچھ چھوڑ کر اب آپ اِسے پیشِ نظر رکھیے اور بس کام شروع کر دیجیے۔ جب شروع ہوگا، تو مکمّل بھی ہو جائے گا۔ یہ میری خواہش بھی ہے اور تمنّا بھی۔

والد مرحوم کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ ۳ کسی بزرگ کا وجود رحمتِ خداوندی کا عکس ہوا کرتا ہے اور اُس سے محروم ہو جانا واقعی بڑی محرومی ہے۔ اِس غم میں میں آپ کا شریک ہوں اور تعزیت گزار۔ خداے پاک مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

رہے میرے کوائف، سو وہ کچھ ہیں ہی نہیں۔خام بُدم، پختہ شدم، سوختم۔اور بس، آگے آیت۔اِس زندگی میں ایسا کوئی کام ہوا ہی نہیں جو قابلِ ذکر ہو۔ایسی بھی زندگی کیا ہوئی کہ ہندستان سے لے کر پاکستان تک بیش ترمیینہ شرفاے ادب (جن میں سے بیش تر کو میں حرام زادگانِ ادب کہتا ہوں) ناراض اور شکوہ گزار۔ایسے شخص کا بایوڈیٹا ہوگا بھی کیا۔ویسے بھی یہ کام میں نے کبھی نہیں کیا، کبھی نہیں بنایا۔رسالہ' اظہار کے اڈیٹر باقر مہدی میرے عزیز دوست ہیں [غالب کا یہ مصرع اُنھی کے لیے ہے: ہوئے تُم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو] اُنھوں نے ایک بار تلوار گردن پر رکھ کر چند سطریں لکھوالی تھیں، یہی ساری کائنات ہے، اور میرے پاس کچھ بھی نہیں۔معذرت طلب ہوں۔اُس بچّی سے میری طرف سے معذرت کر لیجیے۔ ۴ ہاں پاکستانی اخباروں میں (جسارت، نواے وقت، مشرق) میں[کذا] ۵ طویل انٹرویو چھپے تھے اور ایک طویل انٹرویو اقدار میں چھپا تھا۔بچّی اگر اُنھیں ڈھونڈ لے تو شاید ایک دو باتیں اور نکل آئیں۔اور ہاں یاد آیا۔یہاں ایک صاحب نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جس میں آپ کی تحریر بھی ہے، وہ مکتبہ' جامعہ کے جنرل مینیجر شاہد علی خاں کو اُنھوں نے دے دیا تھا۔اُس میں اُن صاحب نے بایوڈیٹا کے انداز کی بھی کوئی چیز مرتب کی ہے۔وہ مجموعہ چھپا نہیں۔کب چھپے گا معلوم نہیں۔اگر آپ یا وہ بچّی شاہد صاحب کو راضی کر لیں اور وہ مضامین عکسی صورت میں مل جائیں تو کئی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔۱۶، ۱۷ مضامین ہیں۔ ۶

ہاں وہ زبانی لکچر کالج والا اب بھیج دیجیے۔اب میں اُسے دیکھ کر اور مرتب کر کے ضرور بالضرور آپ کے پاس بھیج دوں گا۔یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔تاخیر بھی نہیں ہوگی، یہ بھی وعدہ ہے۔ ۷

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

---

۱ محقق، نقاد، عربی، فارسی اور اُردو ادبیات کے اُستاد اور اُردو زبان و ادب کے محسن۔۱۹۰۶ء میں مانسہرہ کے ایک گاؤں منگلور میں پیدا ہوئے۔۱۹۳۵ء میں جامعہ' پنجاب سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔۱۹۴۰ء میں حافظ محمود شیرانی کی جگہ اورینٹل کالج میں لیکچرر اُردو مقرر ہوئے۔بعدازاں پروفیسر اور پرنسپل کے منصب پر فائز رہے۔بیسیوں کتب اور مقالات لکھے۔چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: سخن ور: نئے اور پُرانے،

فارسی ادب میں ہندوؤں کا حصّہ، ولی سے اقبال تک، وجہی سے عبدالحق تک، اشاراتِ تنقید، مسائلِ اقبال، اطرافِ غالب، اُردو تذکرہ نگاری، مباحث، پاکستان میں اُردو، کلچر کا مسئلہ اور اُردو ادب جنگِ عظیم کے بعد۔۱۹۸۶ء میں وفات پائی اور لاہور میں پیوندِ خاک ہوئے۔

۲ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اورینٹل کالج لاہور کے رسالے اورینٹل کالج میگزین کا خاص نمبر بہ عنوان ''اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ: کوائف اور مطبوعات'' مرتب اور شائع کیا تھا۔(اکتوبر ۱۹۹۷ء) خاں صاحب نے اسے پسند نہیں کیا کیونکہ ان کے خیال میں یہ ہاشمی صاحب کے وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع تھا۔اس کے برعکس ڈاکٹر مختارالدین احمد صاحب (علی گڑھ) نے ایک خط میں ہاشمی صاحب کے مذکورہ کام کی تحسین کی تھی۔

۳ ڈاکٹر ہاشمی کے والدِ محترم محمد محبوب شاہ ہاشمی ۱۳ر جنوری ۱۹۹۸ء کو راہیِ مُلکِ بقا ہوئے۔

۴ ڈاکٹر ہاشمی کی تجویز پر اور انھی کی نگرانی میں اورینٹل کالج کی ایم اے اُردو کی ایک طالبہ مسرت انیس نے رشید حسن خاں ــــ احوال و آثار کے موضوع پر کام کا آغاز کیا۔مسرت انیس نے خاں صاحب کو ایک سوال نامہ ارسال کیا تھا،مگر خاں صاحب سوالوں کے جواب دینے سے معذرت کر رہے ہیں۔

۵ حرف ''میں'' غلطی سے دوبارہ لکھا گیا۔

۶ غالباً اس مجموعۂ مضامین کی طرف اشارہ ہے جسے اطہر فاروقی نے ۲۰۰۲ء میں رشید حسن خاں: شخصیت اور ادبی خدمات کے عنوان سے مکتبۂ جامعہ دہلی سے شائع کرایا۔مقالہ نگار بچی کو استفادے کے لیے یہ مضامین حاصل نہ ہو سکے۔

۷ دیکھیے: خط۴ کا حاشیہ نمبر۲۔

☆☆☆

[خط: ۲۳]

شاہ جہاں پور

۱۱ر مئی ۱۹۹۸ء

حضرت پیرجی صاحب!

گرامی نامہ موصول ہوا تھا، مگر میں بمبئی میں تھا۔ اُس کا جواب آتے ہی لکھ دیا تھا، ملا ہو گا۔ آپ کے خط کے بعد آپ کی شاگردہ کا خط آیا، میری طبیعت اِدھر کچھ یوں ہی رہی، یوں تاخیر ہوتی رہی۔ بارے اب سوال نامے کے جوابات لکھ لیے گئے اور کل یہ حوالۂ ڈاک ہو گا۔ آپ کی معرفت یوں بھیج رہا ہوں کہ آپ ایک نظر ڈال لیں، غیر ضروری باتوں کو قلم زد کر دیں اور ناروا تفصیل پر خط کھینچ دیں۔ حشو و زوائد جس قدر کم ہوں، اُتنا ہی اچھا ہو گا۔ ۱

گھر کے اور دُنیا کے جھمیلوں میں پھنستا ہی رہتا ہوں، یہ میری مجبوری ہے، یوں بھی وقت ضائع ہوتا ہے۔ مثلاً پچھلے مہینے کے اواخر میں اُتر پردیش اُردو اکیڈمی نے اپنا بھاری بھرکم انعام "مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ [کذا]" بنام منِ دیوانہ زدند۔ قیمت کے لحاظ سے یہ ایک لاکھ گیارہ ہزار کا ہے۔ کئی دن اِس کی نذر ہو گئے کہ یار لوگوں سے ملنے اور باتیں کرنے کا ایسا بہانہ ہاتھ آیا کہ منع نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ اِسی ہفتے میں مغربی بنگال اُردو اکیڈمی نے اپنے واحد کُل ہند انعام "پرویز شاہدی" ایوارڈ [کذا] کا اعلان کیا۔ ایک دو دن اِس کی نذر ہو گئے۔ یہ دس ہزار کا ہے۔ اِس کا خوشگوار [کذا] پہلو یہ ہے کہ پیسوں کی مجھے بہت ضرورت تھی، یہاں گرمی بہت ہوتی ہے اور اچھا کولر دس ہزار میں آتا ہے بل کہ شاید کچھ اور زیادہ میں۔ سو اب اُسے خرید لوں گا۔ یہ بڑی ضرورت تھی اور دنوں سے پریشان کر رہی تھی اور ایک کمرا اپنے لیے بنوانا تھا، سو اب وہ بھی بن سکے گا؛ وللّٰہ الحمد

جون کے آخر میں پھر بمبئی جانا ہے مزید چک اَپ کے لیے۔ وہاں کا فون نمبر ۶۱۰۲۰۶۸ ہے۔ تقریباً دو ماہ رہوں گا۔ کبھی فون پر بات ہو سکے تو خوب ہو۔ جہاں ٹھہروں گا اور

ٹھہرتا ہوں، یہ اُن کے گھر کا نمبر ہے۔ یہ صاحب میرے شاگرد ہیں، گائر ہال ہی میں رہتے تھے، نام ہے بھوشن کمار، مجھ سے اُردو پڑھتے تھے۔ اب بمبئی میں ہیں اور آج بھی مجھے پُرانے زمانے کا گُرو مانتے ہیں (کیسی غلط فہمی ہے!) میں وہیں ٹھہرتا ہوں۔

اِس خط کی رسید سے فوری طور پر نوازیے، ممنون ہوں گا۔ مثنویاتِ شوق بس آنے ہی والی ہے۔ اِس میں ذرا سا پھیر پڑ گیا ہے کہ لکھنؤ کے میر صاحبان نجم الغنی خاں اور شرر کے حوالوں سے ناراض ہیں۔ (مسعود حسن رضوی مرحوم ان کو ہمیشہ "تخمِ الغنی" کہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے جو سچّی باتیں لکھی ہیں، اُن سے ناراض ہو کر کہ آخر جھوٹ کیوں نہیں بولا)۔

آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔

رشید حسن خاں

۱۔ خاں صاحب نے گذشتہ خط میں مسرت انیس کے سوالات کے جواب لکھ بھیجنے سے معذرت کر لی تھی۔ دوبارہ ان سے التماس کیا گیا تو پسیج گئے اور جواب میں سات آٹھ صفحات لکھ بھیجے۔ اس خط میں انھی صفحات کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ایک طرح کی خود نوشت ہے۔ جسے ہاشمی صاحب نے بازیافت (مجلّہ شعبہ اردو، اورینٹل کالج لاہور۔ جنوری ۲۰۰۲ء) میں شائع کرا دیا تھا۔ رشید حسن خاں کے دست نوشت مذکورہ صفحات کا عکس زیرِ نظر کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

☆☆☆

[خط: ۲۴]

شاہ جہاں پور
۲۰۔نومبر ۱۹۹۸ء

مُحِبّی! آداب

خط ملا تھا، میں ذرا پریشان خاطر رہا اِن دنوں، یوں جواب میں تاخیر ہوئی۔

مثنویاتِ شوق کی پانچ جلدیں ایک پیکٹ میں دہلی سے آپ کے پتے پر پہنچیں گی۔ایک آپ کی ہے۔باقی: فراقی صاحب، معین الرحمان صاحب [۱]، منصورہ احمد [۲] اور ڈاکٹر وزیر آغا [۳] کے نام کی ہیں۔آپ کو میری خاطر یہ زحمت گوارا کرنا ہوگی کہ حق بہ حق دار رسد۔اِس ناروا زحمت دہی کے لیے معذرت طلب ہوں۔یہ پیکٹ ہوائی ڈاک سے نہیں، بل کہ زمینی ڈاک سے پہنچے گا، یوں شاید ۷، ۸ دن کی دیر لگ جائے۔

سحر البیان کی کتابت ہو رہی ہے۔میرے مضامین کا مجموعہ، جس کے بیش تر مضامین تدوین سے متعلّق ہیں، زیرِ کتابت ہے۔چار پانچ ماہ میں چھپ جائے گا اور آپ کے پاس اِسی طرح پہنچے گا۔[۴] اُس میں کلیاتِ اقبال والا مضمون بھی شامل ہے اور اِس کے آخر میں سیّارہ سے آپ کے ''استدراک'' کا بڑا حصّہ لے کر شامل کرلیا گیا ہے۔آپ کی اجازت کے بغیر، یقیناً آپ کو اعتراض نہیں ہوگا۔اِسی اعتماد پر اِسے شامل کیا گیا ہے۔مجموعے کا نام ہے: تدوین، تحقیق، روایت۔ ہاں ''استدراک'' ہے آپ ہی کے نام سے، اگرچہ جی چاہتا تھا کہ ''توارد'' کہہ کر اُسے اپنا بنالوں۔وہ تحریر ہی ایسی ہے۔

فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔کتابوں کی رسید سے (جب بھی وہ پہنچیں) ضرور مطّلع کیجیے گا، منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

---

[۱] معروف غالب شناس، ادیب اور گورنمنٹ کالج لاہور کے سابق صدر شعبۂ اُردو۔پ: ۵رنومبر ۱۹۴۲ء، بھٹنڈہ پٹیالہ (انڈیا) م: ۱۵راگست ۲۰۰۵ء لاہور۔۱۹۶۴ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ایم اے اُردو اور ۱۹۷۲ء

محبی ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
کے لیے

بابائے اُردو مولوی عبدالحق سیریز : ۴۷

رشید حسن خاں
۱۰ دسمبر ۹۸ء

مثنویاتِ شوق

[فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق]

نوّاب مرزا شوق لکھنوی

رفیع الدین ہاشمی
۲۲ دسمبر ۱۹۹۸ء

مُرتّب
رشید حسن خاں

انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی

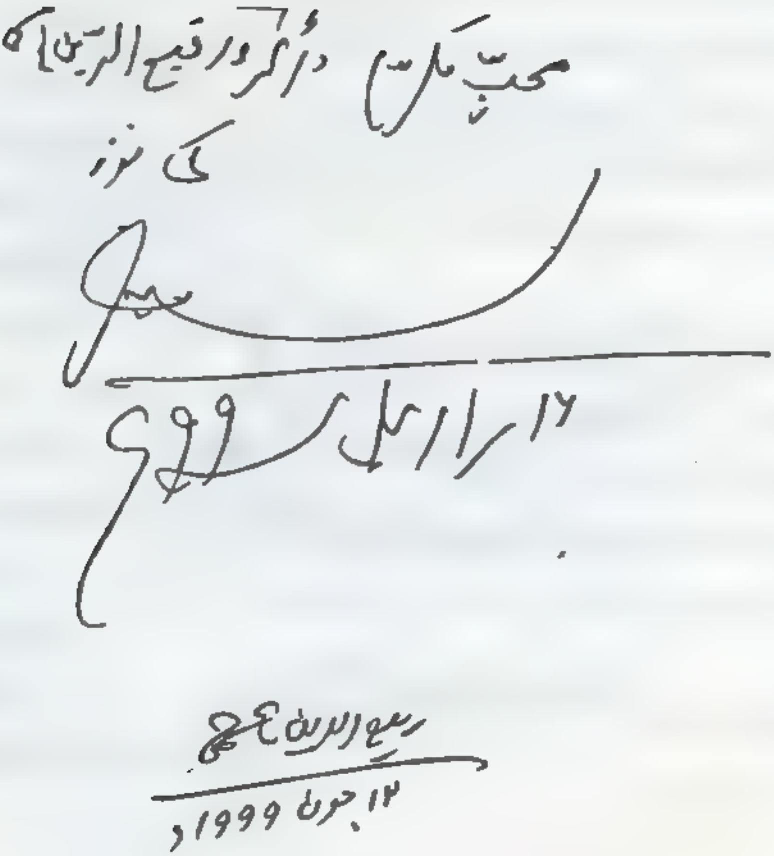
میں سندھ یونی ورسٹی، جام شورو سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ کئی کتب تصنیف وتالیف کیں۔ چند اہم کتابوں کے نام درج ذیل ہیں: اشاریۂ غالب، غالب اور انقلابِ ستاون، تحقیقِ غالب، غالب کا علمی سرمایہ، نقوشِ غالب، تحقیق نامۂ غالب، دیوانِ غالب (نسخۂ خواجہ)، یادگارِ عبدالحق، مطالعۂ یلدرم، بابائے اُردو: احوال و آثار اور بازیافتِ غالب۔

۲۔ جدید نظم کی نام ور شاعرہ، فنون کی مُدیرہ۔ مرزا حبیب احمد کے گھر یکم جون ۱۹۵۷ء کو حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئیں۔ ۱۹۸۰ء میں ایم اے انگریزی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۹۷ء میں طلوع کے نام سے اُن کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ شائع ہوا۔

۳۔ نام ور نقاد، شاعر، انشائیہ نگار اور دانش ور۔ آغا وسعت علی خان کے گھر ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء کو وزیر کوٹ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ اقتصادیات میں ایم اے کرنے کے بعد اُردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پہلے ادبی دُنیا کے مُدیر رہے، ۱۹۶۶ء میں اپنا سہ ماہی ادبی جریدہ اوراق جاری کیا۔ شاعری، تنقید اور انشائیے کی کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ معروف کتابوں میں اُردو شاعری کا مزاج، نظمِ جدید کی کروٹیں، نئے تناظر، تخلیقی عمل، نردبان، چوری سے یاری تک، تنقید اور احتساب اور چہک اُٹھی لفظوں کی چھاگل شامل ہیں۔

۴۔ مضامین کا یہ مجموعہ: تدوین ـــ تحقیق؛ روایت ۱۹۹۹ء میں انجمنِ ترقّیِ اُردو ہند، نئی دہلی نے شائع کیا۔ اس کے سرورق کا عکس آئندہ صفحے پر دیا جا رہا ہے۔

☆☆☆


محبّ مکرم ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی نذر
۱۶ اپریل ۱۹۹۹ء

رفیع الدین ہاشمی
۱۲ جون ۱۹۹۹ء

تدوین - تحقیق
روایت

[خط:۲۵]

شاہ جہاں پور

۱۲رجنوری ۱۹۹۹ء

مُحبِّ مکرّم!

نومبر میں میں نے مثنویاتِ شوق کی ۵ جلدیں بجوائی تھیں، آپ کے، نام زمینی ڈاک سے۔ انجمن ترقیِ اُردو نئی دہلی کے دفتر سے بھیجی گئی تھیں۔ ایک جلد آپ کے لیے تھی، ایک فراقی صاحب کے لیے اور ایک ایک وزیر آغا صاحب، ڈاکٹر معین الرحمان اور منصورہ احمد کے لیے؛ آج تک اُس کی رسید نہیں ملی۔ اب میں پریشان ہوں کہ وہ پیکٹ آپ تک پہنچا یا نہیں۔ ازراہِ لطف اوّلین فرصت میں صورتِ حال سے مطّلع فرمایئے، چشم بہ راہ ہوں۔

مخلص

رشید حسن خاں

ا مذکورہ جلدیں ہاشمی صاحب کو مل گئی تھیں اور انھوں نے سب لوگوں تک پہنچا دی تھیں۔ خاں صاحب کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی تھی۔

☆☆☆

[خط:۲۶]

شاہ جہاں پور
۲۵؍دسمبر ۱۹۹۹ء

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا بھیجا ہوا تحفۂ خلوص مل گیا تھا، رسید میں ذرا سی تاخیر ہوئی، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ آپ نے کیسی گراں ارزش کتاب کا انتساب کیسے ہیچ میرز کے نام کیا ہے! یہ محض آپ کا بے پایاں خلوص ہے اور ذرّہ نوازی ہے کہ مجھے اِس شرف کا حق دار سمجھا۔ ۱ شکریہ کیا ادا کروں، اِس نقش کو دل پر مرتسم کرلیا ہے۔ خدائے پاک آپ کو خوش رکھے اور مجھے توفیق عطا فرمائے کہ جس قدر افزائی کا شرف آپ نے بخشا ہے، اُس کا اہل اپنے کو ثابت کرسکوں۔

سحر البیان تو مکمل ہوگئی تھی کئی مہینے پہلے، ناشر ابھی اُسے چھاپنے کے لیے آمادہ نہیں، اگلے سال چھاپیں گے۔ ۲ اِس دوران اِملاے غالب کے نام سے ایک کتاب مرتب کرلی۔ اِس میں مرزا صاحب کی دستی تحریروں سے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے کہ وہ کس لفظ کو کیسے لکھتے تھے اور پھر ضروری توضیحات لکھی گئی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اِسے ضرور پسند کریں گے۔ یہ کتاب چھپنے چلی گئی ہے۔ چار چھے ماہ میں آجائے گی۔

آج کل ٹھگوں کی زبان کا لغت مرتب کر رہا ہوں۔ یہ بہت دل چسپ کام ہے۔ ۳ چوں کہ اب ادبی ٹھگ بڑھ گئے ہیں، یوں اِس کام کی معنویت روشن ہو سکے گی۔ ٹھگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ اُن کے مرشدِ اعلا حضرت نظام الدّین اولیا ہیں، کہ وہ بھی شروع میں ٹھگی کرتے تھے (معاذ اللہ) بُرا کام اپنے جواز کے لیے کیسے پہلو تراشتا ہے! مگر اُن کے جو نام لیوا اب ہیں دہلی وغیرہ میں، اُن کو دیکھ کر تو اِس روایت پر ایمان لانے کو جی چاہتا ہے، اِس سے تو آپ بھی اتفاق کریں گے۔

ہاں صاحب! کرنل سلیمن انسدادِ ٹھگی کا انچارج تھا، اُس کی ایک کتاب ہے Ramaseeana (رامسیانا) یہ ٹھگی کا لغت ہے، اُس نے یہی نام رکھا کتاب کا۔ عمدہ

کتاب ہے۔ میں یہ زحمت دینا چاہتا ہوں کہ ذرا یہ معلوم کر دیجیے کہ پنجاب یونی ورسٹی کے کتاب خانے میں یہ کتاب موجود ہے؟ عکس میں بعد کو منگا لوں گا اپنے طور پر، یا مشفق خواجہ سے کہوں گا۔ پہلے معلوم ہو جائے۔ یہ یہاں ہاتھ نہیں آئی ہے اب تک۔ مجھے آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

بہت ممنون ہوں اور شکر گزار۔

رشید حسن خاں

۱۔ ڈاکٹر ہاشمی نے اردو زبان و ادب سے متعلق اپنے تحقیقی و تنقیدی مقالات کا مجموعہ بہ عنوان: تفہیم و تجزیہ رشید حسن خاں صاحب کے نام معنون کیا تھا۔ یہ کتاب ۱۹۹۹ء میں فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور نے شائع کی تھی۔

۲۔ خاں صاحب کی مرتبہ سحر البیان انجمنِ ترقی اردو ہند، دہلی نے ۲۰۰۰ء میں شائع کی۔

۳۔ خاں صاحب کا یہ علمی و تدوینی کارنامہ مصطلحاتِ ٹھگی کے نام سے ۲۰۰۲ء میں انجمنِ ترقی اُردو ہند، دہلی کے زیرِ اہتمام شائع ہوا۔

☆☆☆

[خط: ۲۷]

شاہ جہاں پور
۷؍فروری ۲۰۰۰ء

ہاشمی صاحب مکرّم!

پرسوں آپ کا لفافہ ملا، شکر گزار ہوں۔ آپ نے میری خاطر بہت زحمت گوارا کی، مگر میری مشکل وہی ہے کہ: نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں! اِس گوردہ میں بیٹھا ہوا احباب کی کرم فرمائی کے سہارے کام کررہا ہوں، ورنہ دو لفظ بھی نہ لکھ پاؤں۔

یہ عمدہ خبر ہے کہ کتاب وہاں موجود ہے، یعنی سلیمن کی کتاب وامسیانا۔اب میرا کام مکمّل ہوسکے گا۔مگر بھائی مائکروفلم کا میں یہاں کیا کروں گا۔مائکروفلم ریڈر یہاں کہیں نہیں، اور کیوں ہو، اُس کی ضرورت ہی کسی کو نہیں۔جس طرح بھی ہو، عکس بننا چاہیے اور جلد۔آپ میری خاطر پریشان ہوں گے اور زیر بار، اِن دونوں باتوں کا مجھے احساس ہے مگر کروں کیا۔یہاں بیٹھے ہُوئے کچھ بھی نہیں کرسکتا، محض آپ کی کرم فرمائی پر ممنون ہوسکتا ہوں اور شکر گزار۔کہ اس طرح یہ کام مکمّل ہوجائے گا۔

ایک مزے کی بات یہ ہے کہ آپ کے لفافے کے ساتھ مظہر محمود شیرانی صاحب [۱] کا بھی خط آیا۔میں نے اُن کو بھی اِس کتاب کے لیے لکھا تھا۔اُنھوں نے لکھا کہ یہ کتاب موجود ہی نہیں۔آج اُنھیں بھی خط لکھ رہا ہوں کہ نہیں صاحب! موجود ہے۔

ہاشمی صاحب! جس طرح بھی ہو، اِس کام کو کرا دیجیے، میں بہت سپاس گزار ہوں گا، بہت احسان مانوں گا، یوں کہ میرا ایک علمی کام مکمّل ہوجائے گا آپ کی اِس کرم فرمائی کے طفیل۔ہاں سلیمن کی اِس کتاب کا فارسی ترجمہ بھی ہوا تھا خود اسی نے کرایا تھا، مگر چھپا نہیں۔ڈاکٹر معین الدّین عقیل [۲] نے ٹوکیو سے اس مخطوطے کا عکس بھیجا ہے۔میں پہلے اِس سے بے خبر تھا۔مگر اصل کتاب تو اصل ہوتی ہے اور اصل کتاب کے بغیر کوئی کام اصولاً مکمّل نہیں ہوسکتا۔اب میں چشم براہ[کذا] ہوں۔

رشید حسن خاں

شاعر کا خط بھیج دیا گیا۔۳

پسِ نوشت:

یہ خط لکھا رکھا تھا، دہلی سے اطلاع ملی کہ ایک لائبریری میں سلیمن کی کتاب رمسیانا۴ موجود ہے۔ پھر ایک کرم فرما کو لکھا کہ عکس کی کوشش کریں۔ خیال یہ ہے کہ عکس مل جائے گا۔ بالفرض عکس نہ ملا، تو پھر آپ ہی کو زحمت دوں گا۔ مظہر محمود صاحب کو بھی آج ہی خط بھیج رہا ہوں۔ (۱۰؍فروری ۲۰۰۰ء)

۱۔ مظہر محمود شیرانی (پ: ۹؍اکتوبر ۱۹۳۵ء) حافظ محمود شیرانی کے پوتے اور شاعرِ رومان اختر شیرانی کے لائق فرزند ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی نگرانی میں جامعہ پنجاب، لاہور سے حافظ محمود شیرانی کی حیات وخدمات کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ سانگلہ ہل اور شیخوپورہ کے گورنمنٹ کالجوں میں فارسی کے اُستاد رہے۔ حافظ محمود شیرانی کے گراں قدر مقالات کی ترتیب وتہذیب کے علاوہ کئی مضامین اور کتب تصنیف کیں۔ آج کل شیخوپورہ میں مقیم اور جی سی یونی ورسٹی، لاہور سے بہ طور وزٹنگ پروفیسر وابستہ ہیں۔

۲۔ محقق، نقاد اور اُردو ادبیات کے اُستاد۔ [پ: ۲۵۔ جون ۱۹۴۶ء، اود پور (حیدرآباد دکن)]۔ کراچی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو سے وابستہ رہے۔ پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریاں اسی یونی ورسٹی سے حاصل کیں۔ اس دوران میں کئی برس تک جاپان کی ٹوکیو یونی ورسٹی فار فارن سٹڈیز میں فریضۂ تدریس ادا کیا۔ آج کل انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد میں شعبۂ اُردو کے صدر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کئی کتابیں تصنیف، تالیف اور مرتب کیں۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: پاکستان میں اُردو تحقیق، تحریکِ آزادی میں اُردو کا حصّہ، اقبال اور جدید دُنیائے اسلام، دکن اور ایران، اُردو میں اوّلین نسوانی خود نوشت، امیر خسرو: فرد اور تاریخ اور پاکستانی زبان و ادب۔

۳۔ ہاشمی صاحب نے رسالہ شاعر بمبئی کے مدیر افتخار امام صدیقی کے نام خط بھی، خاں صاحب کے نام کے لفافے میں ڈال دیا تھا جسے انھوں نے حوالہ ڈاک کر دیا۔

۴۔ خط ۲۶، اور اسی خط کے دوسرے پیراگراف میں رامسیانا ہے۔ خط ۲۸ میں خاں صاحب نے رمسیانا لکھا ہے۔

☆☆☆

[خط: ۲۸]

شاہ جہاں پور
۲۷/اپریل ۲۰۰۰ء

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط ملا تھا، مگر میرے پیر میں گردشِ پُرکار آگئی تھی، کئی جگہ جانا ہوا۔ تاخیر کے لیے معذرت طلب ہوں۔ خلیق صاحب ۱ والا خط بھیج دیا گیا۔ رَمسیانا ۲ کا سُراغ دہلی میں مل گیا۔ انڈیا انٹرنیشنل سنٹر لودھی اسٹیٹ کی لائبریری میں اِس کا ایک اچھا نسخہ محفوظ ہے، اِس کا عکس بھی ایک صاحب نے بنوالیا ہے اور خیال یہ ہے کہ دس بارہ دن میں مجھے مل جائے گا۔ آپ نے اِس سلسلے میں بہت زحمت اُٹھائی، اِس کی معذرت۔ اب اُن لوگوں سے کہیے کہ نہ عکس کی ضرورت ہے اور نہ اُس کے فوٹو کی اور نہ مائکروفلم کی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اِس کتاب کی ضخامت تقریباً ۸۰۰ صفحات کی ہے۔

صحت نامہ کتاب میں لگالیا۔ آپ نے مجھ جیسے بے کمال کے نام اپنی ایسی عمدہ کتاب معنون کی، اِس کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ یہ محض آپ کی محبت ہے اور قدرافزائی۔ ۳

سحر البیان آج کے پندرھویں دن چھپنے کے لیے جائے گی۔ مشفق خواجہ صاحب نے لکھا ہے کہ وہ اسے کراچی سے بھی چھاپنا چاہتے ہیں، اِس طرح وہاں کے احباب کے لیے میں بہ آسانی نسخے بھجوا سکوں گا، وہ نسخے جو میرے نام کے حقِّ تالیف کے طور پر ملیں گے۔ املاے غالب بھی جون میں چھپے گی اور آپ کے پاس پہنچے گی۔ ٹھگوں کے لغت سے فرصت پاؤں تو پھر دو کام کرنا ہیں سب سے پہلے: دیوانِ جعفر زٹلی ۴ اور مولانا عبدالواسع ہانسوی کا لغت، جو ہندستان میں لکھا گیا کسی ہندستانی کا پہلا لغت ہے اُردو زبان کا، مگر جو آج تک نہیں چھپ سکا، کیوں کہ نوادر الالفاظ نے اُسے دبا دیا۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے بڑی بے انصافی کی ہے مولانا ہانسوی کے ساتھ اپنے مقدّمے میں۔ اُنھوں نے شاید غرائب اللّغات کو از خود پڑھا ہی نہیں، بس خانِ آرزو کی نقل کردہ عبارتوں کو دیکھا۔ آپ کی دُعاؤں کا طالب ہوں۔ وقت کم رہ گیا ہے اور

کام بہت ہے۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

۱۔ ڈاکٹر خلیق انجم مراد ہیں۔ (پ: ۲۲ر فروری ۱۹۳۳ء) معروف نقاد، محقق اور ادیب۔ انجمن ترقی اردو ہند کے فعال سیکرٹری جنرل۔ مدیر ہفت روزہ ہماری زبان۔ بھارت کے ایک بڑے مجاہد اردو۔ بہت سی کتابوں کے مصنف و مولف۔ خطوطِ غالب کی جدید تدوین و تحقیق ان کا بڑا علمی کارنامہ ہے۔ اسی طرح ان کی مرتبہ آثار الصنادید (سر سید احمد خاں) بھی تدوین کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

۲۔ خط ۲۶ اور ۲۷ میں رامسیانا ہے۔

۳۔ دیکھیے: خط ۲۶ کا حاشیہ نمبر ا۔

۴۔ خاں صاحب نے جعفر زٹلی کا کلیات زٹل نامہ بڑی محنت سے مرتب کیا۔ زٹل نامہ ۲۰۰۳ء میں نئی دہلی سے شائع ہوا۔

☆☆☆

[خط:۲۹]

۲۲۔ باڑوزئی دوم،
شاہ جہاں پور

۱۶/اگست ۲۰۰۰ء

مُحبِّ مکرّم!

لفافہ مل گیا تھا۔ آپ کا حکم ہے، یوں تعمیل تو کرنا ہی ہوگا۔ چند روز میں، یعنی ۲۵/اگست تک یا پھر ۲۸/اگست تک مضمون یہاں سے بھیج دیا جائے گا۔[1]

ہاں صاحب! کیا انجمن ترقی اُردو نے آپ کو سحر البیان بھیجی ہے؟

رشید حسن خاں

---

1 مکتوب الیہ نے زیرِ ترتیب ارمغانِ شیرانی کے لیے مضمون کی فرمایش کی تھی۔ آئندہ خط کا حاشیہ نمبر ا بھی دیکھیے۔

☆☆☆

[خط: ۳۰]

شاہ جہاں پور
۲۴ راگست ۲۰۰۰ء

برادرِ مکرم ہاشمی صاحب! آداب

لیجیے صاحب! آپ کے فرمانِ واجب الاذعان کی کسی نہ کسی طرح تعمیل کر دی گئی۔ اگر آپ کی نظر میں یہ شمولیتِ کتاب کے لائق ہو، تو فبہا؛ ورنہ کالاے بد بریشِ خاوند۔ [۱]

فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ اُن کو یاد کر لیا کرتا ہوں کبھی کبھی۔ ہاں سحر البیان پہنچی آپ کے پاس؟ مجھے اِس کی بڑی فکر ہے۔ اِس مضمون کی نقل میرے پاس نہیں، اِس لیے اِس کی رسید فوری طور پر بھیجیے تا کہ اطمینان ہو جائے۔

ہاں، مشفق خواجہ صاحب کا خط ایک ہفتہ پہلے آیا تھا، لکھا تھا کہ املاے غالب بس چھپنے ہی والی ہے۔ آپ کے پاس ضرور پہنچے گی۔

چشم بہ راہ

رشید حسن خاں

---

[۱] خاں صاحب نے ارمغانِ شیرانی کے لیے ایک مضمون ترجمے کے مسائل کے موضوع پر لکھ بھیجا تھا۔ مرتبین نے اس مضمون کو پسند نہ کیا اور خود خاں صاحب بھی اسے عاجلانہ سمجھتے تھے اس لیے اُنھوں نے بعد میں اس علمی ارمغان کے لیے ایک اور مضمون: ''ولادت اور وفات کی تاریخیں'' بھیجا، جو ارمغانِ شیرانی میں شامل ہے۔

☆☆☆

[خط:۳۱]

شاہ جہاں پور
۳۱ راگست ۲۰۰۰ء

مُحب مکرّم ہاشمی صاحب! آداب

۲۵ راگست کو میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کے طور پر ترجمے سے متعلق اپنا مضمون بھیجا تھا، اب تک وہ آپ کو مل چکا ہوگا۔ اُس تحریر میں ایک اضافہ کرنا چاہتا ہوں اور ایک ترمیم، از راہِ لطف زحمت گوارا فرمائیے؛ جہاں تین تذکروں [دو نسخے گلشنِ بیخار کے اور ایک نسخہ نکات الشعراء] کے ترجموں کی مثالیں نقل کی گئی ہیں، وہاں اُن مثالوں کے بعد اِن سطروں کا اضافہ کر دیا جائے، اضافہ:

یہ مثالیں اب سے ۳۰، ۴۰ برس پہلے کے ترجموں کی ہیں۔ اِس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب صورتِ حال میں تبدیلی آ گئی ہے۔ کم وبیش کے تناسب کے ساتھ اب بھی وہی صورتِ حال ہے۔ اِس کی وضاحت کے لیے میں ایک حالیہ ترجمے سے صرف تین مثالیں یہاں پیش کرتا ہوں۔ اِن مثالوں سے اِس کا کچھ اندازہ ضرور کیا جاسکے گا کہ کلاسکی فارسی سے کم آشنائی کیا گُل کِھلا رہی ہے۔ ایک وقیع مجلّے اُردو ادب (نئی دہلی) میں مرزا غالب کے منتخب فارسی اشعار کا اُردو ترجمہ پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ ہر شمارے کے چند آخری اوراق اِس کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں۔ مترجم دہلی کے ایک مقتدر کالج کے ایک سینیر فارسی اُستاد ہیں جن کی ساری عُمر کالج کے طلبہ کو فارسی پڑھاتے گزری ہے۔ ا اِن ترجموں میں ایسی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اِس رسالے کے حالیہ شمارے [شمارۂ اپریل، مئی، جون ۲۰۰۰ء] میں شامل ترجمے سے صرف تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے اور فارسی ترجمے کے مسائل کو سمجھنے کے لیے یہ بھی کم نہیں۔ مرزا صاحب کے معروف ''حبسیہ'' کا شعر ہے:

ہلہ! دزدانِ گرفتار، وفا نیست بہ شہر
خویشتن را بہ شما ہمدم و ہمراز کنم

اِس کا ترجمہ اِس طور پر کیا گیا ہے:

''ہلہ: دھاوا، حملہ ـــــ وزداں: جمع وزد؛ چور۔

حملہ! اے قید کیے گئے چورو، کیوں کہ شہر میں وفا نہیں، میں تمھیں اپنا جگری یار اور راز دار دوست بناتا ہوں'' [ص ۱۳۵]۔

''ہلہ'' یا ''ہلا'' [مع ہائے ہوّز مفتوح ولامِ مفتوحِ مخفف] فارسی کلمۂ تنبیہ ہے، ہوشیار! خبردار! جیسے مفاہیم کو ادا کرنے کے لیے۔ اِن مفاہیم کی نسبت کے ساتھ بہ طورِ کلمۂ خطاب بھی آتا ہے [جیسے مرزا صاحب کے منقولۂ بالا شعر میں آیا ہے]۔ اُردو میں ایک لفظ ہے ''ہلّا'' [مع ہائے مفتوح ولامِ مشدّد] جو کئی معنوں میں آتا ہے: ''حریف کی سپاہ کا حریف کی سپاہ پر حملہ۔ یورش، دھاوا، چڑھائی، تاخت۔ حریف پر ہجوم کر کے دفعتہً جا پڑنا۔ (گنوار): غُل شور، جیسے: کیوں ہلّا مچایا۔ (عوام): ''حیلہ'' کا بگڑا ہوا، جیسے: کوئی ہلّا کرو جو چار پیسے ہاتھ آئیں۔ ہلّا جو بھرے پلّا'' [فرہنگِ آصفیہ]

فاضل مترجم نے فارسی کے کلمۂ تنبیہ ''ہَلَہ'' کو اُردو میں مستعمل لفظ ''ہلّا'' فرض کر کے بہ آسانی یوں ترجمہ کر دیا: حملہ اے قید کیے گئے چورو! مرزا صاحب زندہ ہوتے تو معلوم نہیں اِس لفظ فہمی اور مفہوم تراشی کی داد کس طرح دیتے، اپنا سر تو پیٹ ہی لیتے اور جس زبان میں مولفِ برہانِ قاطع کو مخاطب کیا ہے، اُسی روز مرّہ اور محاورے میں کچھ اور بھی ارشاد فرماتے۔

مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ غمخوارِ منست
گر بمیرم، چہ غم از مرگ، عزادارِ منست

دوسرے مصرعے کا ترجمہ اِس طرح کیا گیا ہے: ''اگر میں مر جاؤں تو وہی میرا سوگوار ہوگا''۔ یعنی مرزا صاحب نے بہ خیالِ مترجم ''چہ غم از مرگ'' کا ٹکڑا زائد رکھ دیا تھا، یوں اُسے نکال دیا گیا ـــــ

ذوق کی تاریخِ وفات کا شعر ہے:

تاریخ فوتِ شیخ بود ''ذوقِ جنّتی''
بر قولِ من، رواست کہ احباب دل نہند

مترجم نے ''بر قولِ من'' کا ترجمہ ''میرے قول کے مطابق'' کیا ہے، دوسرے مصرعے کا ترجمہ فرمایا ہے: ''یہ میرے قول کے مطابق جائز ہے، دوست اِس پر توجہ دیں''۔ کلاسکی فارسی سے ناآشنائی کی اِس سے بہتر مثال اور کیا ملے گی۔ یہ خیال رہے کہ مترجمِ محترم ساری عُمر فارسی پڑھاتے رہے

ہیں۔ اِنھی مثالوں سے کلاسکی فارسی کے ترجموں کے مسئلے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک ترمیم: پہلے پیراگراف میں، جہاں آپ کا نام آیا ہے، اُس جملے میں ''عذاب اور ثواب'' کے لفظ لکھے گئے ہیں؛ میری درخواست ہے کہ اِن کی جگہ ''تحسین و تعریض'' کے الفاظ لکھ دیے جائیں۔

سحر البیان آپ کو مل گئی؟ اگر مل گئی (اور ضرور ملی ہوگی) تو رسید آپ نے کیوں نہ بھیجی؟ اب اِس خط کی اور اُس کتاب کی رسید ایک ساتھ مرحمت فرمایئے۔ تحسین فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔ اسلاے غالب جیسے ہی وہاں چھپے گی، آپ کے پاس پہنچے گی۔ مشفق خواجہ نے لکھا ہے کہ بس چھپنے ہی والی ہے۔ ایک جلد فراقی صاحب کے لیے بھی ضرور آئے گی، میں نے لکھ دیا ہے۔ اب تو غالب سے متعلق ہر کتاب اُن کو ضرور ملنا چاہیے۔

چشم بہ راہ

رشید حسن خاں

---

۱ انجمنِ ترقی اُردو ہند، نئی دہلی کے سہ ماہی رسالے اُردو ادب میں غالب کے فارسی کلام کا ترجمہ بالاقساط شائع ہوتا رہا۔ ترجمہ کار شریف حسین قاسمی [پ: یکم مارچ ۱۹۴۴ء] ہیں۔ آپ مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کے فرزند ہیں۔ دہلی یونی ورسٹی میں ریڈر شعبۂ فارسی رہے۔

☆☆☆

[خط:۳۲]

شاہ جہاں پور
۳ راکتوبر ۲۰۰۰ء

ہاشمی صاحب مکرّم!

میں نے سحر البیان بھیجی تھی، رسید نہیں ملی۔ آپ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے مضمون بھیجا، پھر دوسرے خط میں اُس سے متعلق ایک عبارت بھیجی اضافے کے لیے۔ دونوں خط رجسٹرڈ تھے۔ کتاب بھی رجسٹری سے بھیجی گئی تھی۔ کسی خط کا جواب نہیں ملا۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ مضمون کہاں ہے راستے میں تو گُم نہیں ہوگیا۔ مشکل یہ ہے کہ اُس کی نقل میرے پاس نہیں۔ اگر وہ کتاب میں شامل ہونے کے لائق نہ ہو تو از راہِ لطف اُسے واپس کر دیجیے۔ ہاں فراقی صاحب کے نام کے خط میں بھی یہ سب لکھ چکا ہوں۔ اُس پر بھی نہ آپ کا خط ملا نہ اُن کا۔ آخر مجھ سے اِتنی بڑی غلطی کون سی ہوئی ہے؟ میں حیران بھی ہوں اور پریشان بھی۔

رشید حسن خاں

---

۱ ہاشمی صاحب کو سب چیزیں مل گئی تھیں اور انھوں نے (قدرے تاخیر سے) ان سب کی رسید بھیج دی تھی۔

☆☆☆

[خط: ۳۳]

شاہ جہاں پور
۱۶/اکتوبر ۲۰۰۰ء

ہاشمی صاحب مکرّم!

مہینوں کے انتظار کے بعد آپ کا خط ملا۔ یہ معلوم کر کے بہت دُکھ ہوا کہ آپ اسکوٹر سے گر پڑے اور اِتنی چوٹ لگی کہ صاحب فراش ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جلوہ ہائے سرِ رہ گذر کو دیکھنے میں چند لمحوں کے لیے محو ہو گئے ہوں گے۔ ارے صاحب! اب اِس کا زمانہ نہیں۔ اوپر دیکھیے یا سامنے اور بس۔ خدا کرے آپ جلد تر صحت یاب ہوں۔

اب دوسری بات: آپ کا خط پڑھ کر میں نے یہ محسوس کیا کہ میرا وہ مضمون اُس کتاب کے شایانِ قدر نہیں۔ میرا بھی یہی خیال تھا، مگر محض تعمیلِ حکم کی خاطر اُسے بھیج دیا تھا۔ اب آپ ازراہِ لطف فوری طور پر اُس تحریر کو میرے پاس بھیج دیجیے۔ میں اُس پر نظرِ ثانی کروں گا اور اضافے کروں گا۔ آپ کے لیے میں ایک اور تحریر بھیج دوں گا۔ تکلّف اور تامّل، دونوں سے قطعِ تعلّق کر کے آپ اُس تحریر کو واپس کر دیں، میں جلد تر دوسری تحریر بھیجنے کی کوشش کروں گا۔ میں آپ کے لفافے کے لیے، جس میں وہ تحریر ہو، چشم براہ [کذا] ہوں۔ ۱

ہاں فراقی صاحب نے میرے خط کا جواب نہیں لکھا۔ اُن سے کہیے کہ میں اُن کے خط کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

نیازمند
رشید حسن خاں

ایک ضروری بات:

حیدر آباد کے ایک عالم ۲ نے جو مرحوم ہو چکے ہیں، اقبال کے شکوے کا عربی میں منظوم ترجمہ کیا تھا مسدّس کی ہیئت میں۔ کیا عربی میں ایسا کوئی ترجمہ ہوا ہے؟ اگر آپ کو یا کسی اور کو وہاں اِس ترجمے سے دل چسپی ہو سکتی ہو تو بھیج دوں۔ میرے پاس اُن کی صاحب زادی نے اُس کا عکس بھیجا ہے، میں کیا کروں گا۔ کیا یہ کسی اہمیت کی چیز ہو سکتی ہے؟

---

۱ خاں صاحب کی یہ دوسری موعودہ تحریر وہی مضمون ہے، جو ارمغان شیرانی میں شامل ہے۔
۲ شکوۂ اقبال کا عربی میں ترجمہ پروفیسر سیف بن حسین القطیطی نے کیا تھا۔

[خط:۳۴]

شاہ جہاں پور
۹؍اپریل ۲۰۰۱ء

مُحبِّ مکرّم حضرت مولانا و بالفضلِ اَولانا (اولنا)!

اِس گناہ گار، پریشاں احوال، دُور افتادہ باجسمِ نزار، نیازمندِ باوفا و خیر خواہِ باصفا کا سلام قبول ہو۔ یہ شخص بروقت عدم تعمیلِ فرمایش پر شرمسار [کذا] اور سرافگندہ ہے؛ اگر خوے کریمانہ سے کام لے کر اِس کی معذرت قبول ہو تو آپ ثوابِ دارین کے مستحق قرار پائیں گے اور یہ شخص آپ کا منّت پذیر ہوگا اور شکر گزار ــــ یہ شخص اِس بات کو بھی تسلیم کرلے گا کہ مولوی صاحبان کیسے ہی ہوں (جیسے ہیں، وہ سب کو معلوم ہے) مگر مولانا صاحبان خاص کر ہمارے مولانا صاحب عفوو درگذر کو معمول خداوندی مانتے ہیں اور اِس معاملے میں نہ بخیل ہیں نہ کفایت شعار۔

طبیعت میری آج کل دو چار ماہ سے تولہ ماشہ رہتی ہے، یوں بروقت تعمیلِ حکم نہ ہوسکی۔ منفعل ہوں اور شرمسار [کذا]۔ پھر یہ بھی چاہتا تھا کہ استاذ الاساتذہ کے یادنامے [1] میں کسی ایسے موضوع کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہو جس پر یا تو کم لکھا گیا ہو یا اچھی طرح نہ لکھا گیا ہو اور وہ موضوع تحقیق کے نقطۂ نظر سے بنیادی اہمیت بھی رکھتا ہو۔ اب فیصلہ تو آپ کریں گے۔ اگر یہ بعد از وقت پہنچے، تو ازراہِ لطف اِسے احتیاط کے ساتھ واپس کردیا جائے، یوں کہ اِس کی نقل میرے پاس نہیں۔

اِسی لفافے میں ایک اور چیز بھی بھیج رہا ہوں۔ حیدر آباد دکن کے ایک عربی النّسل خاندان کے ایک عالم نے اقبال کے شکوے کا اُردو [سے عربی] میں ترجمہ کیا تھا۔ کمال یہ کیا کہ عربی میں بحر وہی رکھی جو اُردو کی ہے۔[2] میرے لیے یہ نہایت دل چسپ چیز ہے۔ پروفیسر لئیق صلاح صاحبہ (سابق صدر شعبۂ اُردو گلبر گایونی ورسٹی، آندھرا پردیش) کے خاندان سے ناظم یا مترجم (جو بھی کہیے) تعلّق رکھتے تھے۔ اُنھی سے یہ مجھے ملا ہے اور ضرورت پڑنے پر وہ ضروری معلومات فراہم کرسکتی ہیں۔ یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ایک اقبال شناس سے بڑھ کر اِس کا قدر دان اور کون ہوگا۔ اگر یہ وہاں کے کسی عربی یا اقبالیات سے متعلق کسی رسالے میں شائع ہوسکے تو خوب ہو، کہ

[illegible]

محبِ مکرم حضرت مولانا و بالفضل آو لانا (اولنا) ! اس گناہ گار، پریشان احوال، دور افتادہ با جسم نزار، نیاز مند با وفا و خیر خواہ باصفا کا سلام قبول ہو۔ یہ شخص بروقت عدم تعمیل فرمائش پر شرمسار اور سر افگندہ ہے؛ اگر خوے کریمانہ سے کام لے کر اس کی معذرت قبول ہو تو آپ محاسبہ داریں کے مستحق قرار پائیں گے اور یہ شخص آپ کا منت پذیر ہوگا اور شکر گزار — یہ شخص اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ مولوی صاحبان کیسے ہی ہوں (جیسے ہیں، وہ سب کو معلوم ہے) مگر مولانا صاحبان خاص کر ہمارے مولانا صاحب عفو و درگزر کو معمولِ خداوندی مانتے ہیں اور اس معاملے میں نہ بخیل ہیں نہ کفایت شعار۔

طبیعت میری آج کل دو چار ماہ سے ذرا ناساز رہتی ہے، یوں بروقت تعمیلِ حکم نہ ہو سکی۔ منفعل ہوں اور شرمسار۔ پھر یہ بھی چاہتا تھا کہ اسناد (الاسناد) کا یہ یادگار مجلہ ہو کسی ایسے موضوع کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہو جس پر یا تو کم لکھا گیا ہو یا اچھی طرح نہ لکھا گیا ہو اور وہ موضوع تحقیق کے نقطۂ نظر سے بنیادی اہمیت بھی رکھتا ہو — اب فیصلہ تو آپ کریں گے — اگر یہ بعد از وقت آپ کے پاس پہنچے، ~~فوراً از راہ لطف ایک احتیاط کے ساتھ واپس کر دیجیے گا، کیونکہ اس کی نقل میرے پاس نہیں~~

اسی لفافے میں ایک اور چیز بھی بھیج رہا ہوں۔ حیدرآباد دکن کے ایک عربی النسل خاندان کے ایک عالم نے اقبال کے شکوے کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ کمال یہ کیا کہ عربی میں بحر وہی رکھی جو اردو کی ہے۔ میرے لیے یہ نہایت دل چسپ چیز ہے۔ پروفیسر لئیق صلاح صاحبہ (سابق صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی، آندھرا پردیش) کے خاندان سے ناظم یا مترجم (جو بھی ہیں) تعلق رکھتے تھے۔ انھی سے یہ مجھے ملا ہے اور ضروری ہو تو نیر وہ ضروری معلومات فراہم کر سکتی ہیں۔ یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ہمیں اقبال شناسی بڑھ کر اس کا قدر دان اور کون تھا۔ اگر یہ وہاں کے کسی عربی یا اقبالیات سے متعلق کسی رسالے میں شائع ہو سکے تو خوب ہو، اس طرح محفوظ ہو جائے گا۔

اب میں آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ یہ میری درخواست ہے کہ رسید سے علی الفور نوازا جاؤں۔ اطلاعاً عرض ہے تو اب تک آپ کو مل چکی ہوگی۔ اس کی رسید سے بھی سرفراز کیا جاؤں۔ زاہدی صاحب سے میرا سلام کہیے۔

نیاز مند

رشید حسن

۴ مئی کو جواب دیا۔

رفیع

اِس طرح محفوظ ہو جائے گا۔

اب میں آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔ یہ میری درخواست ہے کہ رسید سے فی الفور نوازا جاؤں۔ املاے غالب تو اب تک آپ کو مل چکی ہو گی۔ اُس کی رسید سے بھی سرفراز کیا جاؤں۔ فراقی صاحب سے میرا سلام کہیے۔

نیاز مند

رشید حسن خاں

۱۔ ارمغانِ شیرانی کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ پروفیسر سیف بن حسین القعطی نے یہ ترجمہ شکوی الحال الیٰ اللّٰہ المتعال کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ خاں صاحب نے ہاشمی صاحب کو بھیج دیا۔ مذکورہ غیر مطبوعہ عربی ترجمہ ہاشمی صاحب کے پاس موجود ہے اور وہ اسے حواشی کے ساتھ شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

☆☆☆

[خط: ۳۵]

شاہ جہاں پور
۲۶ر مئی ۲۰۰۱ء

ہاشمی صاحب مکرّم! آداب

آپ کے حکم، بل کہ فرمانِ واجب الاذعان کی تعمیل میں نذرِ شیرانی کے لیے ایک تحریر بھیجی گئی تھی، ۹ر اپریل سنہِ حال کو رجسٹرڈ؛ آج کے دن تک اُس کی رسید نہیں ملی، نہ یہ معلوم ہوا کہ یہ تحریر آپ تک بعد از وقت تو نہیں پہنچی۔ [1]

درخواست گزار ہوں کہ از راہِ لطفِ خاص صورتِ حال سے مطّلع کیا جاؤں گا۔ اُس تحریر کی نقل میرے پاس نہیں، نہ قلمی نہ عکسی، یوں ذرا سی تشویش ہے۔

خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

---

[1] مذکورہ تحریر مل گئی تھی، ''ولادت اور وفات کی تاریخیں'' کے عنوان سے ارمغانِ شیرانی میں شامل ہے۔

☆☆☆

[خط: ۳۶]

شاہ جہاں پور
۲۳رجون ۲۰۰۳ء

مُحبِّ مکرّم! سلامِ مسنون۔

۱۵؍اپریل کا خط آیا، آخرِ اپریل میں مل گیا تھا۔ یہ میری کوتاہی ہے کہ بروقت خط نہیں لکھ سکا؛ مگر بیماری، مسائل اور ذہنی کش مکش نے بے طرح اُلجھائے رکھا؛ یوں اِس ناروا تاخیر کی کارفرمائی ہوئی۔

بھائی! آپ کا خط جو غم گساری اور مخلصانہ تعلّقِ خاطر کے گہرے جذبات کا ترجمان تھا، میرے لیے بڑی نعمت بن گیا، کئی بار پڑھا۔ ایسے ہمدرد موجود ہوں تو غموں کا بوجھ خود بہ خود ہلکا ہوجاتا ہے۔ ١

میری صحت اچھی نہیں۔ ڈاکٹر نے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی ہے، چلنے کو منع کیا ہے۔ دل کی رفتار اچانک بگڑنے لگتی ہے۔ پیس میکر تجویز کیا گیا؛ مگر ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ عُمر کی بنا پر کُچھ خطرہ بھی ہے اس میں۔ دوائیں کھا رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی آنکھوں میں بھی دم ہے اور ہاتھوں کو بھی جنبش ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قلم کی سیاہی خشک نہیں ہو پائی ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ دمِ آخر تک قلم کی حرمت اور اُس کی روانی، دونوں پر حرف نہ آنے پائے۔ اب پہلے کی طرح تو جم کر کام نہیں کر پاتا، بس ۵ یا چھے گھنٹے روز کام کرتا ہوں اور وہ بھی اِس طرح کہ گھنٹا بھر کام کیا، پھر پندرہ بیس منٹ کے لیے لیٹ گیا۔ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

کلاسکی ادب کی فرہنگ کی پہلی جلد ملی ہوگی۔ خلیق انجم صاحب کو میں نے تاکید کر دی تھی کہ مصطلحاتِ ٹھگی اور فرہنگ، دونوں کی ایک ایک جلد آپ کے نام بھیج دی جائے، اُن کا فون آیا تھا کہ دونوں کتابیں بھیج دی گئیں۔ کیا آپ کو مل گئیں؟ ازراہِ لطف کتابوں سے متعلق مجھے فوری طور پر اطلاع دیجیے۔ کلیاتِ جعفر زٹلی مرتّب ہو گیا، کمپوزنگ کے

مرحلے میں ہے۔لفظیاتِ غالب زیرِ ترتیب ہے۔اُس کے نئے انداز کو آپ ضرور پسند کریں گے۔کام جاری ہے۔اب تک تقریباً چودہ ہزار کارڈ بنا چکا ہوں۔چاہتا ہوں کہ یہ کام ضرور مکمل ہو جائے۔ ۲ اگر آپ نے سندِ پسندیدگی بھیج دی تو سمجھوں گا کہ محنت ٹھکانے لگی۔خیال یہ ہے کہ اِس کے بعد لفظیاتِ اقبال اِسی انداز پر مرتب کروں؛ مگر یہاں تو وہ چھپے گی نہیں، بس اِس لیے تامّل اور تکلّف رہا ہے۔خیر، دیکھا جائے گا۔کیا لفظیاتِ اقبال سے متعلق وہاں کوئی کام ہوا ہے اگر ہوا ہو تو ضرور مطلع فرمائیے۔فرہنگ کی ابھی دو جلدیں اور مرتب کرنا ہیں۔غرض کہ: سامان ------کل کی خبر نہیں۔

بازیافت ۳ ملا تھا۔شمارہ نمبر۲، ابھی تک تو ملا نہیں، تقاضا کر نہیں سکتا، فراقی صاحب کی صواب دید پر اِس کا ملنا منحصر رہے گا۔آپ نے شمارہ نمبر ۳ کا حال بھی لکھا ہے، جب شمارہ نمبر ۲ ہی نہیں ملا، نمبر ۳ کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔آپ ہوتے تو ہر چیز ملتی رہتی۔کبھی کبھی خط لکھ دیا کیجیے کہ ڈھارس بندھتی ہے اور حوصلہ بڑھتا ہے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن خاں

---

۱ ڈاکٹر ہاشمی کو مشفق خواجہ صاحب کے ذریعے معلوم ہوا کہ خاں صاحب کی اہلیہ ۲۸ر مارچ ۲۰۰۳ء کو انتقال کر گئیں۔ہاشمی صاحب نے خاں صاحب کو تعزیتی خط لکھا تھا۔

۲ لفظیاتِ غالب پر خان صاحب کے اس گراں اثر زاور منفرد کام (گنجینۂ معنی کا طلسم) کی کمپوزنگ اُن کی زندگی ہی میں ہو چکی تھی مگر افسوس کہ یہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔دسمبر ۲۰۰۸ء میں ڈاکٹر خلیق انجم لاہور میں تھے۔اُنھوں نے ہاشمی صاحب کو بتایا کہ یہ کتاب دو چار ماہ میں انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی سے شائع ہونے والی ہے۔

۳ شعبہ اردو اورینٹل کالج کا ادبی و تحقیقی مجلّہ، جس کا پہلا شمارہ (جنوری ۲۰۰۲ء) ڈاکٹر ہاشمی کی ادارت میں شائع ہوا تھا۔ان کی سبک دوشی (۳۱ر مارچ ۲۰۰۲ء) کے بعد مجلّہ مذکور ڈاکٹر تحسین فراقی کی ادارت میں شائع ہونے لگا۔

☆☆☆

[خط: ۳۷]

شاہ جہاں پور
۲۲ر جولائی ۲۰۰۳ء

مُحبِّ مکرّم!

خط آپ کا مل گیا۔ ارے بھائی! دونوں کتابیں اب سے مہینا بھر پہلے ڈاک سے کالج کے پتے پر بھیجی جا چکی ہیں۔ اگر آپ کو نہیں ملیں تو پھر غارت گری ہوئی ہے کہیں نہ کہیں۔ خیر، یہ بھی سہی۔ رات میں نے دہلی انجمن کے ایک کارکن کو فون کیا تھا۔ آج، یعنی ۲۲ر جولائی کو مصطلحاتِ ٹھگی (''ٹھگّی'' نہیں) اور کلاسکی ادب کی فرہنگ دونوں کتابوں کا رجسٹرڈ پارسل کالج کے پتے پر آپ کے نام بھیج دیا جائے گا۔ میری درخواست ہے کہ اب ذرا ابھی سے خیال رکھیے گا کہ وہ پارسل آپ ہی کو ملے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ رسید فوراً بھیجیے گا، ورنہ میں پریشان رہوں گا۔ بازیافت کا انتظار ہے۔ میری صحت کا احوال وہی ہے جو تھا۔ یہ دل کا آزار لگ جاتا ہے تو پھر جاتا نہیں، یہی تو میر صاحب نے بھی کہا ہے۔

فراقی صاحب سے میرا سلام کہیے۔ کلیاتِ جعفر زٹلی کی کمپوزنگ مکمل ہو گئی، شاید دو مہینے کے اندر ہی چھپ جائے گی، مگر آپ کو نہیں بھیجوں گا، گنہ گار نہیں ہونا چاہتا۔ توبہ توبہ! کیسی بُری بُری باتیں ہیں اِس میں ______ جس مفصّل خط کا آپ نے وعدہ کیا ہے: (''جلد لکھوں گا'')، وہ کب وفا ہو گا؟

رشید حسن خاں

☆

[خط: ۳۸]

شاہ جہاں پور
۱۸ر اپریل ۲۰۰۴ء

مُحبِّ مکرّم! اسلامِ شوق

آپ کے دو خط ملے۔ ایک خط، جس پر ۱۴ر مارچ کی تاریخ پڑی ہوئی ہے، مجھے ۱۶ر اپریل کو ملا۔ دوسرا خط مورخہ ۲۸ر مارچ، اِس سے پہلے ملا تھا۔ یہ سب گڑبڑ اسی لیے ہوتی ہے کہ آپ دوسروں کو ''خط پکڑا دیتے ہیں''۔ بھائی! بہ راہِ راست کیوں نہیں بھیجتے کہ بروقت مل جائے۔

یہ آپ نے خوب لکھا کہ: ''کیا شاہ جہاں آباد ہی میں مقیم ہیں یا بمبئی، دہلی کا سفر بھی کبھی ہوتا ہے''۔ _____ یہ پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ حضورِ والا! ڈاکٹر نے بہت سختی کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا رکھی ہے، چلنے پھرنے سے منع کیا ہے؛ یوں کہ قلب کی رفتار اچانک بگڑ جایا کرتی ہے اور اُس کا کوئی وقت مقرّر نہیں۔ ذرا بھاری کتاب نہیں اُٹھا سکتا، نیند بھر سو نہیں سکتا۔ کیوں کہ پروسٹیٹ کی شکایت بڑھ گئی ہے۔ داہنا گھٹنا بیکار سا ہو گیا ہے۔ اُکروں [کذا] نہیں بیٹھ سکتا۔ بس لیٹا رہوں یا کرسی پر بیٹھا رہوں۔ دن بھر دوائیں کھاتا رہتا ہوں۔ مسلسل کام نہیں کر سکتا، کُچھ دیر کے بعد سر میں درد ہونے لگتا ہے، سر چکرانے لگتا ہے۔

سو یہ ہے احوال آپ کے مُریدِ بااخلاص کا۔ سخت جانی کا شکر گزار ہوں کہ پھر بھی کام کیے جاتا ہوں۔ وہی مرزا صاحب والی بات: آنکھوں میں تو دم ہے؛ خدا کا شکر ہے کہ میرے تو ہاتھوں کو بھی جُنبش ہے، آنکھوں میں بھی دم ہے اور قلم کی سیاہی بھی خشک نہیں ہو پائی ہے۔ جی ہاں، لفظیاتِ غالب والا کام ہو رہا ہے۔ غ کے حرف تک پہنچ گیا ہوں۔ مگر یہ کام ہے، بہت صبر آزما۔ ایسی اُلجھنوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ بعض دفعہ حیران رہ جاتا ہوں۔ _____ اقبال والا کام، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، اُسے یہاں تو کوئی چھاپے گا نہیں۔ پھر وہاں آپ لوگ مجھ سے کہیں بہتر طور پر اِس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ غالب والا کام بھی عبدالوہاب خاں صاحب

کے اصرارِ پیہم پر شروع کیا ہے۔ یہاں تو اب ایسا بھی کوئی شخص نہیں کہ ایک صفحہ اُس سے بھی نقل کرالوں۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر والی بات ہے۔ اِس زمانے میں کمپیوٹر کے بغیر ایسے کام نہیں ہو پاتے؛ مگر وہی نومن تیل والی بات ہے۔ بہ ہر حال، یہ کام تو کرنا ہی ہے۔ ہاشمی صاحب! اب کوئی شخص ایسے اُلجھتی [اُلجھتے] کاموں کے قریب جانا بھی پسند نہیں کرتا۔ خیر، یہ بھی سہی۔ اُردو میں اور ہندستان کی کسی بھی دوسری زبان میں کسی بھی بڑے شاعر سے متعلق لفظیات کا کام مکمّل طور پر نہیں ہوا۔ یوں اِسے بہ ہر طور مکمّل کرنا چاہتا ہوں۔

اُردو کیسے لکھیں، انشا اور تلفظ وغیرہ کا کچھ تعلق جاوید اقبال صاحب ۱ سے نہیں۔ اُن سے صرف باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کا تعلق ہے۔ صرف اِن کے لیے اُن کی اجازت ضروری ہے۔ آپ کے کہنے پر میں نے دہلی کا آخری یادگار مشاعرہ، اور مولوی نذیر احمد سے متعلق مرزا فرحت اللہ بیگ والے مضمون کی اجازت کلوروی صاحب کو دے دی تھی، آج تک پتا نہیں چلا کہ وہ چھپیں یا نہیں۔ کسی صاحب نے لکھا ہے کہ انارکلی کے کسی پبلشر نے اُردو املا چھاپ لی ہے، کیا کر سکتا ہوں۔ آپ جن کتابوں کو چھپوانا چاہیں، یعنی آپ کے واسطے سے دوسرے لوگ، مجھے مطلع کر کے چھاپ سکتے ہیں۔ پیسے مجھے نہیں چاہیے۔ میں خوش میرا خدا خوش۔ اور ہاں، تحسین فراقی صاحب جیسا مخلص کرم فرما وہاں موجود ہے، مگر وہاں کے دفتر میں میرا پتا بھی صحیح طور پر درج نہیں۔ بازیافت کا دوسرا شمارہ آیا تھا بہت پہلے، بہت تعجب ہوا کہ کیسے آ گیا۔ میں تو اُسے کرشمہ سمجھتا رہا۔ صرف میرا ادھورا نام اور لفظِ شاہ جہاں پور، باقی کچھ نہیں۔ فراقی صاحب کے ہوتے ہوئے دفتر میں میرا پتا صحیح طور پر مندرج نہ ہو، تو سر پیٹ لینے کی بات ہے۔ یہ بات یوں لکھی گئی کہ آپ نے بازیافت نمبر ۳ سے متعلق دریافت کیا ہے۔ اگر پتا اُسی طرح لکھا گیا، تو پھر اُس کا پہنچنا معلوم! فراقی صاحب سے میرا اسلام کہیے اور کہیے کہ آپ مجھ سے اِس قدر بے تعلق آخر کیوں ہو گئے ہیں، کیا ناراض ہیں؟ ہاں زٹل نامہ میں کمپوزنگ کی غلطیاں رہ گئی ہیں، اگلے خط میں لکھوں گا، تاکہ آپ اپنے نسخے پر اور فراقی صاحب کے نسخے پر اُنھیں درج کرلیں۔ ۲

چند اہم اغلاط کا حوالہ ابھی دیے دیتا ہوں، دونوں نسخوں پر درست الفاظ لکھ لیجیے:

ص: ۲۰، س ۲۴: گانووں

ص: ۶۲ حاشیے کا نمبر ۱۱، نمبر ۷ کی جگہ لکھا گیا ہے۔

ص:۸۸ غچ بچ (x)

ص:۱۳۸ بہ علم و باعلم چوں بوحنیفہ ۔شعر نمبر ۳

ص:۱۴۵ حاشیہ نمبر ۲۷: ۵ ۱۴۰ء (۱۸۔فروری ۱۴۰۵ء)

ص:۱۶۹ شعر نمبر ۷: بہطا بہٹ بہٹ است۔۔۔

ص:۱۸۴ شعر نمبر ۴: طرّۂ طرّہ باز۔

ص:۲۲۴ کہہ جعفراب کیسی۔۔۔

ص:۲۲۵ کوں پرست

ص:۲۳۱ ٹیں۔

ص:۲۵۰ دیگ۔

ص:۱۴۹ حاشیہ نمبر ۲: ۱۲ ۱۷ء (۱۷۲۱ء X)

چند معمولی اغلاط کو نظر انداز کرتا ہوں۔ فراقی صاحب کے نسخے میں بھی تصحیحات بنوا دیجیے۔ اب بہ راہِ راست خط لکھیے۔

---

۱ یہ سہوِ قلم ہے۔ خاں صاحب، جاوید طفیل [مالک نقوش پریس] کی جگہ جلدی میں جاوید اقبال لکھ گئے۔ ان کتابوں کی اشاعت کا معاملہ ۱۹۹۴ء میں جاوید طفیل صاحب سے طے ہوا تھا، دیکھیے خط نمبر ۱۱ مگر ۸، ۹ برس گزر گئے، جاوید طفیل صاحب وہ کتابیں شائع نہ کر سکے طلبہ کو ان کی ضرورت رہتی تھی اس لیے ہاشمی صاحب نے خاں صاحب کو لکھا: کیوں نہ انھیں کسی اور ناشر سے چھپوا دیا جائے؟ غالباً خاں صاحب بھی کئی برس گزر جانے پر، ادارۂ نقوش سے، ان کی اشاعت سے مایوس ہو چکے تھے، اس لیے زیرِ نظر خط میں اُنھوں نے کہا ہے کہ ان کتابوں کا کچھ تعلق جاوید طفیل صاحب سے نہیں۔

۲ یہاں خط کا متن ختم ہوتا ہے۔ نیچے جگہ نہیں بچی اس لیے خاں صاحب بہ طور کاتبِ خط اپنا نام بھی نہ لکھ سکے۔ دائیں حاشیے پر نہایت باریک خط میں اُنھوں نے ذیل نامہ کا صحت نامہ لکھ بھیجا۔

☆☆☆

[خط: ۳۹]

شاہ جہاں پور
۱۷رمئی ۲۰۰۴ء

ہاشمی صاحب مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۳۰راپریل، مجھے ۷رمئی کو مل گیا تھا۔ جواب میں تاخیر کی ذمّے داری مجھ پر نہیں، میرے احوال پر عائد ہوتی ہے، اُتار چڑھاو کا سا احوال رہنے لگا ہے۔ آج کئی دن کے بعد کام کرنے بیٹھا ہوں۔ آپ کی پُر خلوص محبت، غمگساری[کذا] اور آپ کی دُعائیں ساتھ رہتی ہیں اور اِس سے بہت مدد ملتی ہے۔

(۱) پہلے یہ عرض کروں کہ الفاظِ غالب والا کام سُست رفتاری سے سہی، مگر ہو رہا ہے۔ حرف ق مکمّل ہو گیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ کل یا پھر پرسوں سے ک کا آغاز ہو گا۔ میری سخت جانی اور آپ کی دُعاؤں کا یہ کرشمہ ہے۔

(۲) اُردو کیسے لکھیں ("لکھیں" نہیں) کی ترقّی یافتہ شکل عبارت کیسے لکھیں ہے۔ اِسے بھی مکتبۂ جامعہ نے چھاپا تھا کئی سال پہلے۔ اگر کوئی ناشر چھاپنا چاہے تو عبارت کیسے لکھیں کو ترجیح دی جانا چاہیے۔ اِس کے آخر میں کئی سو الفاظ کی فہرست بھی شامل ہے۔

(۳) انشا اور تلفّظ کو اگر چھاپا جائے تو میں اِس میں کُچھ ترمیم یا اضافہ کرنا چاہوں گا۔

(۴) اِن سب کتابوں کی رائلٹی میں نہیں لوں گا۔ یہ بچّوں کے کام کی کتابیں ہیں۔ عبارت کیسے لکھیں تو آپ کے پاس ہو گی، ورنہ ہمارے آپ کے خاں صاحب اپنے توسّط سے اُسے فوراً منگا دیں گے۔ (عبدالوہاب خاں سلیم) [۱]

(۵) اُردو املا چھاپنے کی میں نے کسی کو اجازت نہیں دی تھی، اب آپ کو مختار

شاہ جہاں پور

۷ مئی ۸۸ء

ہاشمی صاحب، مکرم!

آپ کا خط مرقومہ ۳۰ را پریل، مجھے ۵ مئی کو مل گیا تھا۔ جواب میں تاخیر کی ذمہ داری مجھ پر نہیں، میرے احوال پر عائد ہوتی ہے، اُن پر جو عادتاً سارا وبال سر لگتے ہیں۔ آج کئی دن کے بعد کام کرنے بیٹھا ہوں۔ آپ کی بے حد محبت، غمگساری اور آپ کی دعائیں ساتھ رہتی ہیں اور اس سے بہت مدد ملتی ہے۔

① پہلے یہ عرض کر دوں کہ الفاظِ غالب والا کام سُست رفتاری سے بھی آگے ہو رہا ہے۔ حرف ق مکمل ہو گیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ [illegible] سے ک کا آغاز ہو گا۔ بڑی محنت چاہی اور آپ کی دعاؤں کا یہ کرشمہ ہے۔ ② اردو کیسے لکھیں (تصحیح۔ بہتر) کا ترقی یافتہ شکل "عبارت کیسے لکھیں" ہے۔ ایسے ہی مکتبۂ جامعہ نے چھاپا تھا کئی سال پہلے۔ اگر کوئی ناشر چھاپنا چاہے تو "عبارت کیسے لکھیں" کو ترجیح دی جانا چاہیے۔ اس کے آخر میں [illegible] کئی سوالناموں کی فہرست بھی شامل ہے۔ ③ انشا اور تلفظ کو اگر چھاپا جائے تو اس میں کچھ ترمیم یا اضافہ کرنا چاہوں گا۔ ④ ان سب کتابوں کی رائلٹی میں نہیں لوں گا۔ یہ بچوں کے کام کی کتابیں ہیں۔ عبارت کیسے لکھیں تو آپ کے پاس ہو گی، ورنہ محمد آغا خان صاحب اپنے توسط سے فوراً منگا دیں گے۔ (جو الکتاب خان سلیم)۔ ⑤ اردو املا چھاپنے کی میں نے کسی کو اجازت نہیں دی تھی، اب آپ کو مختار بناتا ہوں، اسے چھپوا دیجیے۔ رائلٹی میں اس کی بھی نہیں لوں گا۔ دوسرے ایڈیشن کو چھپوا سکتے ہیں آپ۔ اس کی کتابت یا کمپوزنگ کی ضرورت نہیں ہو گی۔ عکسی ایڈیشن بہ آسانی آ سکتا ہے۔ سپردم بتو......

⑥ خواجہ صاحب کا احوال معلوم ہوتا رہتا ہے، اُن کی صحت یابی سے مجھے بہت اطمینان ہوا۔ ⑦ آپ مالک و مختار ہیں، جس جملے میں ترمیم کرنا ضروری سمجھیں، بے تکلف ترمیم کر دیجیے۔ آپ کے لیے اجازت کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے میں نے۔

⑧ [illegible]! وہ صاحب زادی، آپ کی شاگرد (یا شاگردہ) جنھوں نے سوالنامہ بھیجا تھا، جسے آپ نے خالی بھیج دیا تھا، کیا انھوں نے وہ مقالہ لکھ لیا تھا؟ مجھے تو دیکھنے کا شوق ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اُس کی عکسی نقل مجھے مل جائے، آپ کی توجہ درکار ہے۔

⑨ "اگست ۴۹ء میں نہیں"، اگست ۱۹۵۹ء میں دہلی یونیورسٹی سے وابستہ ہوا تھا۔ [(۵۹، ۴۹ بن گیا کتابت میں)]۔ ابتدا میں سر سید روڈ پر کرایے کے مکان میں رہتا تھا۔ یہ سر سید کے مکان کا دیوان خانہ تھا۔ اسی نسبت سے اُس سڑک کا نام "سر سید روڈ" ہے۔ پُرانا پھاٹک برقرار تھا (معلوم نہیں اب کیا احوال ہے)۔ اُس کے بعد لکھنؤ روڈ کے ایک مکان میں رہا، اُس کے بعد یونیورسٹی کے مجلسی ہال میں منتقل ہو گیا، اُس وقت گوائر ہال میں کوئی کمرا خالی نہیں تھا (تاریخیں مجھے یاد نہیں)۔ گوائر ہال میں کئی سال کے بعد جگہ ملی۔ مختصر وقفوں کے لیے ماڈل ٹاؤن کے دو مختلف مکانوں میں بھی رہ چکا۔ چونکہ ایک بکس اور ایک بستر کے سوا اور سامان کبھی ساتھ رہا ہی نہیں، یوں نقل مکانی میں دقت نہیں ہوتی تھی (یہ کام کی بات نہیں ہے) — ضرورت ہوتی تھی ایک پلنگ اور ایک میز ایک کرسی کی، اور وہ ہر جگہ عاریتاً یا بہ کرایہ مل جاتی تھی۔ گوائر ہال میں [illegible]

بناتا ہوں، اِسے چھپوا دیجیے ___ رائلٹی میں اِس کی بھی نہیں لوں گا۔ دوسرے اڈیشن کو چھپوا سکتے ہیں آپ، اِس کی کتابت یا کمپوزنگ کی ضرورت نہیں ہوگی، عکسی اڈیشن بہ آسانی آسکتا ہے۔ سپردم بہ تو ۔۔۔۔

(۶) خواجہ صاحب کا احوال معلوم ہوتا رہتا ہے، اُن کی صحت یابی سے مجھے بہت اطمینان ہوا۔

(۷) آپ مالک ومختار ہیں، جس جملے میں ترمیم ضروری سمجھیں، بے تکلّف ترمیم کردیجیے۔ آپ کے لیے اجازت کا دروازہ کھُلا چھوڑ دیا ہے میں نے۔

(۸) ہاں صاحب! وہ صاحب زادی، آپ کی شاگرد (یا شاگردہ) جنھوں نے سوال نامہ بھیجا تھا، جسے آپ نے شائع بھی کیا تھا، کیا اُنھوں نے وہ مقالہ لکھ لیا تھا؟ اُسے تو آپ نے دیکھا ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اُس کی عکسی کاپی مجھے مل جائے، آپ کی توجہ درکار ہے۔ ۲

(۹) ''اگست ۴۹'' میں نہیں، اگست ۱۹۵۹ء میں دہلی یونی ورسٹی سے وابستہ ہوا تھا۔ (۵۹، ۴۹ بن گیا کتابت میں)۔ ابتدا میں سر سیّد روڈ پر کرایے کے مکان میں رہا تھا۔ ۳ یہ سر سیّد کے مکان کا دیوان خانہ تھا۔ اِسی نسبت سے اُس سڑک کا نام ''سر سیّد روڈ'' ہے۔ پُرانا پھاٹک برقرار تھا (معلوم نہیں اب کیا احوال ہے)۔ اُس کے بعد لکھنؤ روڈ کے ایک مکان میں رہا، اُس کے بعد یونی ورسٹی کے ہوسٹل جُبلی ہال میں منتقل ہو گیا، اُس وقت گائر ہال میں کوئی کمرا خالی نہیں تھا (تاریخیں مجھے یاد نہیں) گائر ہال میں کئی سال کے بعد جگہ ملی۔ مختصر وقفوں کے لیے ماڈل ٹاؤن کے دو مختلف مکانوں میں بھی رہا ہوں۔ چوں کہ ایک بکس اور ایک بستر کے سوا اور سامان کبھی ساتھ رہا ہی نہیں، یوں نقل مکانی میں دقّت نہیں ہوتی تھی (کتابوں کی بات اور ہے)۔ ضرورت ہوتی تھی ایک پلنگ اور ایک میز کرسی کی اور ہر جگہ عاریتاً یا کرایے پر مل جاتی تھی۔ گائر ہال میں اور جبلی ہال میں یہ دونوں چیزیں کمرے ہی کا جُز ہوتی تھیں۔ جب دہلی سے چلا تو (کتابوں کے سوا) بس ایک بستر تھا اور ایک وہی بکس جسے ساتھ لے کر آیا تھا۔ ہاں کتابیں بہت تھیں اور یہی اصل دولت تھی، اصل سرمایہ تھا۔

ہاشمی صاحب! ۳۶ برس دہلی میں رہا، ٹھنڈا پانی میرے حصّے میں کبھی نہیں آیا، یوں کہ ریفرججیٹر [کذا] میرے پاس نہیں تھا اور خریدنے کی استطاعت بھی نہیں تھی، اور چیزوں کا کیا ذکر ہے۔ اب میرے بچّوں کے پاس یہ سب کُچھ ہے، لیکن میرا جو کمرا ہے، اُس میں اب بھی وہی

हवाई पत्र
Aerogramme

8.50
INDIA

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

۲۸ ڈی، منصورہ،

لاہور

Dr. Rafeeuddin Hashemi
28 D— MANSOORA,
LAHORE
(Pakistan)

भेजने वाले का नाम और पता :-
Sender's Name and Address :-

رشید حسن خاں
22 - BAROOZAI — II,
Shahjahanpur — 242001
(U.P.)
India

इस पत्र के अन्दर कुछ न रखिये
No Enclosures Allowed

27 MAY 04

पहला मोड़
FIRST FOLD

اور جیل حال میں یہ دونوں چیزیں گھر سے ہی حاصل ہوتی تھیں۔ جب دہلی سے چلا تو (کتابوں کا) ایک بستر تھا اور ایک
وہی بکس جسے ساتھ لے کر آیا تھا۔ ان کتابوں میں بہت قیمتی اور بہت اصلی دولت تھی، اصل سرمایہ تھا۔ ہاشمی صاحب! ۳۶
برس دہلی میں رہا، ... کبھی نہیں آیا، ریفریجریٹر پاس نہیں تھا اور خریدنے کی استطاعت
بھی نہیں تھی تو ان چیزوں کا کیا ذکر ہے۔ اب بڑے بچوں کے پاس یہ سب ہے، لیکن میرا جو کمرہ ہے اس میں اب بھی وہی
مٹی کی صراحی یا گھڑا ہے، نہ ریفریجریٹر، نہ ٹی وی۔ بس ٹیلیفون ہے اور وہ میرے بیٹے کے اصرار سے ہے اور
ہے اور اب میری ضرورت کی چیز بن گیا ہے۔ جب یہاں منتقل ہوا تب بھی کوئی الجھن نہیں ہوئی، کیوں کہ
کوئی ساز و سامان ہی نہیں تھا جس [illegible] کے چھوٹ جانے کا حسرت آنکھوں میں آنسو بن کر
پریشان کر سکے۔ جس طرح دہلی سے اٹھ کر یہاں آیا تھا اس سے زیادہ سامان کے ساتھ یہاں سے روانگی ہوگی، کیوں کہ اب
وہ بکس اور وہ بستر بھی ساتھ لے جانے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ الغ بس۔ باقی پھر کبھی۔ خدا آپ کو بعافیت رکھے
اب کب دیکھیں گے؟ رشید حسن خاں

مٹی کی صراحی یا ٹھلیا ہے، نہ ریفریجیٹر [کذا]، نہ ٹی وی۔ بس ٹیلیفون ہے [کذا] اور وہ بڑے بیٹے کے اصرارِ بے حد کا آوردہ ہے اور اب میری ضرورت کی چیز بن گیا ہے۔ جب یہاں سے سفر پر روانہ ہوں گا تب بھی کوئی اُلجھن نہیں ہو گی، کیوں کہ کوئی ساز و سامان ہی نہیں جس کے چھوٹ جانے کی حسرت آنکھوں میں آشوب پیدا کر سکے اور ذہن کو پریشان کر سکے۔ جس طرح دہلی سے اُٹھ کر یہاں آ گیا تھا، اُس سے زیادہ آسانی کے ساتھ یہاں سے روانگی ہو گی، کیوں کہ اب وہ بکس اور وہ بستر بھی ساتھ لے جانی [کذا] کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ اللہ بس، باقی ہوس۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔ اب کب خط لکھیں گے؟

رشید حسن خاں

---

۱ رشید حسن خاں کے محبِ صادق اور مداح۔ [پ: ۶ر فروری ۱۹۳۹ء دریاباد ضلع بارہ بنکی] ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۳ء تک پنجاب یونی ورسٹی، لاہور میں کتاب دار رہے۔ ۱۹۷۳ء میں امریکا چلے گئے اور تا حال وہیں مقیم ہیں۔ وہ خاں صاحب کے علاوہ، مشفق خواجہ، ڈاکٹر مختار الدین احمد، پروفیسر اسلوب احمد انصاری، اور دیگر اہلِ علم سے مخلصانہ مراسم رکھتے ہیں۔ موصوف علمی و ادبی کتابوں کے حد درجہ شائق ہیں، آپ بیتی اور سفر ناموں (بالخصوص حج اور عمرہ کے سفر ناموں) کا بہت بڑا ذخیرہ اُن کے پاس ہے۔ خاں صاحب کی کئی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں بھی اُنھوں نے بہت تعاون کیا۔ وہ صحیح معنوں میں اہلِ علم کے قدردان ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کے آخر میں ان کے نام رشید حسن خاں کے ۹ خطوط شامل ہیں، جن سے دونوں کے باہمی تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲ یہاں خاں صاحب نے مسرّت انیس کے تحریر کردہ تحقیقی مقالے (ایم اے اردو) بہ عنوان: رشید حسن خاں: احوال و آثار کے لیے فرمایش کی تھی۔ مقالے کی ایک کاپی ڈاکٹر ہاشمی نے خاں صاحب کو بھجوادی۔ مزید دیکھیے خط نمبر: ۲۳، اور اس کا حاشیہ۔

۳ ۳۱۱۸ر سر سید روڈ، دریا گنج۔

☆☆☆

[خط:۴۰]

شاہ جہاں پور
۹/ اگست [۲۰۰۴ء]

مُحبِّ مکرّم! سلامِ شوق

پیکٹ مل گیا، جس میں بازیافت کا شمارہ تھا اور وہ مقالہ۔ آپ نے کس قدر وقت صرف کیا اِس کام پر! جلد بندی، ترسیل اور اُس سے بڑھ کر اصل تحریر کی بنیاد گزاری۔ طالب علم نے اپنی سی محنت کی اور اپنے بہت سے ساتھیوں سے بہتر کام کیا۔ ایم اے کے کسی طالب علم سے اِس سے زیادہ توقع بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ۱ پھر بھی آپ نہ ہوتے تو کُچھ نہ ہوتا۔ شکر گزار ہوں۔ اور کون یہ زحمت گوارا کرتا!

تحسین فراقی صاحب سے شکریہ ادا کر دیجیے۔ اندازہ یہ ہوا کہ رسالہ بھی یوں مل گیا کہ آپ نے بھیج دیا۔ خیر، یہ بھی سہی۔ اِس کے لیے آپ کا اور فراقی صاحب کا خاص طور پر شکر گزار ہوں۔

ہاں صاحب! یہ ضیاء الحسن صاحب ۲ کون بزرگوار ہیں؟: ''یگانہ زندگی اور شاعری دونوں میں غلط بات اور غلط انداز کو قبول کرنے کے روادار نہیں تھے''۔ یہ بات وہی لکھ سکتا ہے جو دونوں آنکھیں بند کر لے۔ میں یگانہ کی شاعری کا قائل ہوں، مُعترف ہوں، اُس کی اہمیّت کو پوری طرح مانتا ہوں، مگر سجّاد باقر رضوی ۳ کے اِس قول کو بھی مانتا ہوں کہ '' اُنھیں جذبات اور احساسات کی تہذیب نہ مل سکی جو اُردو کے دوسرے شعرا کے ہاں ملتی ہے''۔ لطیفہ یہ ہے کہ یہ قول اُنھی نے اِسی مضمون میں نقل کیا ہے!!

حسن اور عشق میں لڑائی کیا جیسے جورو خصم میں سوت پہ جنگ

''وہ زبان کے استعمال میں اجتہادی قدم اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے''_____ : کیوں پیرومرشد! کیا اِس شعر میں اجتہادی قدم کی آہٹ ملتی ہے (یا ایسے اور شعروں میں)۔ صرف منتخب

کلام کو پیشِ نظر رکھ کر یہ بات بہ آسانی کہا[کذا] جاسکتی ہے کہ یگانہ اپنے انداز کے منفرد شاعر تھے اور ایک خاص حیثیت رکھتے تھے، اہم حیثیت، وہ اپنے معاصرین میں سب سے الگ تھے اور اُن کی شاعری میں جو کس بل ملتا ہے، وہ اُردو غزل کے ایک نئے لہجے کی بشارت دے رہا تھا، مگر اُن کا لہجہ بگڑتے بھی دیر نہیں لگتی تھی اور پھر سب کُچھ بگڑ جاتا تھا۔ مقالہ نگار نے طویل مقالہ لکھا ہے، یوں وہ اِدھر اُدھر کی بہت سی باتیں لکھ گئے ہیں۔ اگر وہ طوالت سے کام نہ لیتے اور غیر جذباتی انداز سے قطعِ تعلق کو روا نہ رکھتے تو شاید یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔ میرے کرم فرما فراقی صاحب مدیر کے اختیاراتِ خصوصی سے اگر کام لیتے تو شاید کُچھ اصلاح کی صورت نکل آتی۔ مگر یہ تو محض میری خوش گمانی ہے (غالبًا) طول بیانی کی ''خداداد صلاحیت'' بہ ہر طور اپنے آپ کو نمایاں کرلیا کرتی ہے اور یہاں بھی یہی ہوتا۔

بیماری نے بے حال کر رکھا ہے، کیا کروں، ورنہ بہت جی چاہتا تھا کہ فراقی صاحب کو شکریے کا طویل خط لکھوں اور اُس میں چند ضروری باتیں بھی آجائیں؛ مگر وہی بات کہ من چلتا ہے، تو نہیں چلتا۔ اُن سے معذرت طلب ہوں اپنی ناکارکردگی پر۔ اگر آپ میرا خط فراقی صاحب کو پڑھادیں تو سمجھوں گا کہ معذرت طلبی کا حق ادا ہوگیا۔ ہاں پیر جی! غالب والا کام آخری مرحلے میں ہے۔ ۴ ایک فضول کام اور سہی: اِس کے مصداق۔ ارادہ ہے کہ اگلا کام (اگر صحت اجازت دے) اقبال یا نظیر سے متعلق ہو۔ یہ معلوم کرنا ہے کہ پاکستان میں کسی نے لفظیاتِ اقبال پر کام کیا ہے؟ ____ دوسری بات: کیا وہاں یہ کتاب چھپ سکے گی (یہاں کون چھاپے گا)۔ ورنہ پھر قصایدِ سودا والا کام شروع کروں گا ____ آپ کی رائے کیا ہے؟ چشم بہ راہ ہوں۔

ہاں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زٹلی والا کام آپ کو بالکل پسند نہیں آیا ____ یا قسمت! یا نصیب! وہ ہے بھی ایسا نامعقول کام، ہے نا! ____

اگر ورد وظیفے سے ذرا سا وقت مل جائے ایک فضول کام کے لیے، تو اِس خط کی رسید بھی بھیج دیجیے اور اپنی رائے بھی۔

رشید حسن خاں

---

۱ مسرّت انیس کے تحقیقی مقالے بہ عنوان: رشید حسن خان: احوال و آثار کا ذکر ہے جس کی ایک نقل خاں صاحب کی فرمائش پر انھیں بھجوائی گئی تھی۔

۲ نوجوان شاعر، نقاد اور اورینٹل کالج میں اُردو کے اُستاد (پ: ۲۸/ اکتوبر ۱۹۶۴ء)۔ بارِ مسلسل اور آدھی بھوک اور پوری گالیاں شاعری کے مجموعے ہیں۔ اُردو تنقید کا عمرانی دبستان کے موضوع پر جامعۂ پنجاب سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہ مقالہ مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا تھا۔ مزید برآں ن م راشد پر اپنی دو کتابیں (نئے آدمی کا خواب — ن م راشد: شخصیت اور فن) شائع کر چکے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے اپنے عزیز دوست اور جواں مرگ شاعر شبیر شاہد کی شعری باقیات کو گم شدہ ستارہ کے نام سے مدوّن کیا ہے۔

۳ شاعر، نقاد اور اُردو ادبیات کے نام وَر استاد۔ ۴/ اکتوبر ۱۹۲۸ء میں اعظم گڑھ کے ایک گاؤں چماتواں پھول پور میں پیدا ہوئے۔ کراچی یونی ورسٹی سے ایم اے انگریزی اور پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے اُردو کے بعد جامعہ کراچی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ ۱۳/ اگست ۱۹۹۲ء کو انتقال ہوا۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: تہذیب و تخلیق (تنقیدی مضامین)، مغرب کے تنقیدی اصول (تالیف و ترتیب) اور تیشۂ لفظ (شاعری)۔

۴ گنجینۂ معنی کا طلسم کی طرف اشارہ ہے۔

☆☆☆

[خط:۴۱]

شاہ جہاں پور
۳۰/اگست ۲۰۰۴ء

مُحبِّ مکرّم!

کل آپ کا خط مرقومہ ۱۶/اگست ملا، جس سے معلوم ہوا کہ ناسازیِ مزاج کی وجہ سے آپ یہاں نہیں آسکیں گے، افسوس ہوا۔ ملاقات ہوتی نہ ہوتی، آواز تو سُن ہی لیتا۔ خیر، پھر سہی!۔
آپ کا پہلا خط بھی مل گیا تھا اور میں نے یہ مان کر کہ آپ تو دہلی میں ہوں گے، اُس کے جواب میں ایک لفافہ بھیجا تھا خلیق انجم صاحب کی معرفت آپ کے نام، معلوم نہیں اب وہ لفافہ کہاں ہوگا۔ میرا پہلا خط تو مل گیا ہوگا جس میں میں نے لکھا تھا کہ اُسے، یعنی عبارت کا ایک ٹکڑا فراقی صاحب کو بھی پڑھا دیجیے گا۔ مقالے کی رسید بھی اُسی میں تھی۔

اب آپ مالک و مختار ہیں ہر طرح کی تصحیح، ترمیم، اضافے کے، جو مناسب ہو کیجیے، آپ کو مکمّل اختیار حاصل ہے، مجھ سے کُچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کی اِس کتاب کی راہ دیکھوں گا۔

لفظیاتِ غالب کا بنیادی کام قریب الختم ہے، مگر اُس کے بعد نظرِ ثانی کا کام شروع ہوگا اور اُس میں بھی کُچھ وقت لگے گا۔ بڑا کام ہے یہ اور میں تنِ تنہا۔ ایسا بھی تو کوئی نہیں جس سے دو سطریں پڑھوالوں یا نقل کرالوں۔ یہ کام کمپیوٹر کی مدد کا متقاضی تھا، مگر سخت جانی اُس کا بدل بن گئی۔ آپ یہ دیکھیے کہ ۲۵، ۲۶ ہزار کارڈ بنانا کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے [لائبریری کارڈ تو بہت مہنگے ہوتے ہیں] پھر اُن کو ترتیب سے لگانا، نمبر شمار ڈالنا، نقل کرنا اور ہر بار اصل سے مقابلہ کرنا اور صحت کا یہ احوال کہ: دم لینے سے گھبرا جائے ہے۔ بہ ہر طور احباب کی ہمت افزائی اور محبت شریکِ خیالات رہی اور یوں تقویت کا آبِ حیات ملتا رہا اور ان سب پر مستزاد آپ کی پُر خلوص دُعائیں اور گہرا تعلقِ خاطر۔ ہندستان کی کسی بھی زبان میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا کام ہوگا [اور ہاں

محبّی عبدالوہاب خاں سلیم کی ہمت افزائی نے بھی بہت مدد کی، وہ مسلسل فون کرتے رہے اور کرتے رہتے ہیں اور یوں ہمت ٹوٹنے نہیں پائی]۔ ہائے بیدل، کیا شعر کہا ہے:

نشۂ تحقیق ما را شعلۂ جوالہ کرد
آں قدر گشتیم گردِ خود کہ خود را سوختیم

اِدھر خان صاحب کا فون دو ہفتے سے نہیں آیا ہے__ اب آپ ایک لمبا سا خط لکھیے اور اپنی صحت کا احوال بھی لکھیے۔ ہم گناہ گار بیمار ہوں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ بدپرہیز رہے ہیں؛ آپ کیوں بیمار ہوتے ہیں؟ خط لکھیے۔

رشید حسن خاں

---

۱ اگست ۲۰۰۴ء کے آخر میں دہلی میں ایک کتاب میلہ منعقد ہو رہا تھا۔ اس موقع پر ہاشمی صاحب نے دہلی جانے کا پروگرام بنایا اور خاں صاحب کو مطلع کر دیا۔ ویزا بھی مل گیا مگر عین انھی دنوں وہ شدید نزلہ زکام اور بخار میں مبتلا ہو گئے۔ عزمِ سفر فسخ ہوا۔ اگر دہلی جاتے تو وہاں سے ٹیلی فون پر شاہ جہاں پور خاں صاحب سے کئی بار بات چیت ہو سکتی۔ یہ سب نہ ہو سکا تو خاں صاحب اس پر اظہارِ افسوس کر رہے ہیں۔

☆☆☆

[خط: ۴۲]

شاہ جہاں پور
۳۱/اکتوبر ۲۰۰۲ء

مُحبّ گرامی!

۲۷/ستمبر کا خط ملا تھا، آپ کی بیماری کا احوال پڑھ کر جی بہت کُودھا، پھر یہ پڑھ کر کچھ تسکین ہوئی کہ اب آپ پہلے سے بہتر ہیں۔ توقّع کرتا ہوں کہ اب تک پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔

میرا احوال وہی ہے کہ جو تھا۔ بہ ہر طور قلم تو چلتا ہی رہتا ہے، یوں بیماری کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ غالب والے کام کا حال آپ نے پوچھا ہے؛ وہ کام مکمّل ہو گیا۔ اب نظرِ ثانی کا کام ہو رہا ہے۔ غالباً دو ماہ میں یہ بھی تکمیل کو پہنچے گا۔ لفظیاتِ اقبال کا کام میں خود بھی کرنا چاہتا تھا [یوں بھی کہ کوئی دوسرا شاید ہی ایسے ''غیر ضروری'' کام کرنے پر آمادہ ہو سکے] اب آپ کی فرمائش نے اِسے واجب کا درجہ بخش دیا۔ ۱ اِس کام کو ضرور کروں گا؛ مگر اِس باب میں پہلے چند باتوں وضاحت ضروری ہے۔

اُردو میں اب تک اِس سلسلے کا کوئی کام ہوا ہی نہیں، یوں کوئی نمونہ موجود نہیں جس کو بہ طورِ سرمشق سامنے رکھا جا سکے۔ اِس لحاظ سے طریقِ کار کا تعیّن ضروری ہے۔ غالب کی لفظیات کا رُخ دوسرا تھا معنی آفرینی کے نقطۂ نظر سے، اقبال کے یہاں وہ بات اُس طرح نہیں پائی جاتی، یوں کہ اقبال اصلاً نظم کے شاعر ہیں اور غالب غزل گو ہیں۔ یوں طریقِ کار کا معاملہ اہمیّت رکھتا ہے۔

میں نے ''گنجینۂ معنی کا طلسم'' کی رعایت سے الفاظ کو مفرد اور مرکّب کی مناسبت سے سامنے رکھا تھا اور ہر لفظ سے متعلّق شعر کو الفاظ کے ساتھ لکھا تھا، تا کہ بہ یک نظر لفظ کے طریقِ استعمال اور اُس کی معنویت کی آئینہ داری ہو جائے۔ اصل دیوان کی ورق گردانی نہ کرنا پڑے اور یہ بھی سامنے آ جائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جو بار بار آئے ہیں اور کن کن معنوی رعایتوں کے

ساتھ آئے ہیں۔ حاشیے میں ہر لفظ کی تعداد اور مرکّب و مفرد کی وضاحت بھی کی تھی، کہ فلاں لفظ اِتنی بار آیا ہے؛ مفرد اِتنی بار اور مرکّب اِتنی بار ــــــ اقبال کے سلسلے میں کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے؟ میں اِسی لفافے میں غالب سے متعلق ایک صفحہ رکھے دے رہا ہوں (یہ تلخیص ہے) اِس سے آپ اچھی طرح اندازہ کر سکیں گے۔ میں نے الفاظ کو تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) مفرد ــــ (۲) مرکّب، جن میں متعلقہ لفظ درمیانِ ترکیب میں یا آخر میں آیا ہو۔ (۳) وہ مرکبات جن میں متعلقہ لفظ شروع میں آیا ہے، مثلاً: ایک لفظ ہے: آتش۔

(۱) ''آتش'' مفرد ہے ــــــ (۲) رنگِ کاغذِ آتش زدہ۔ یہ دوسرے حصّے میں آئے گا۔ (۳) آتشِ رنگِ رُخِ ہر گُل۔ یہ تیسرے حصّے میں آئے گا۔ یوں کہ ایک حصّے میں اِن کو درج نہیں کیا جا سکتا۔

اِس لحاظ سے مثلاً اِس مصرعے کو دیکھیے: اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں!

اِس کے اندراجات چار جگہ ہوں گے: ہ، ف، ک، ہ کے تحت۔ اِس طرح:

ہمالہ! : اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں! ص ۔

فصیلِ کشورِ ہندوستاں : اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں! ص ۔

کشورِ ہندوستاں : دیکھیے: فصیلِ کشورِ ہندوستاں۔

ہندوستاں : دیکھیے: فصیلِ کشورِ ہندوستاں۔

سُرخ روشنائی سے لکھے ہوئے جملہ الفاظ جلی کمپوز ہوں گے۔ باقی سب خفی۔ اِس طرح شمار میں صرف جلی الفاظ آئیں گے، اور معنویت کے لحاظ سے ساری ترکیبی صورتیں بہ یک وقت قاری کی نظر کے سامنے آ جائیں گی اور مفردات بھی۔ یعنی شمارِ الفاظ کے ساتھ کلامِ اقبال میں الفاظ کی معنویت کے پہلو بھی نمایاں رہیں گے۔ صرف شمارِ الفاظ نہیں، شمارِ الفاظ مع اظہارِ معنویت۔ اِسی طرح ہر لفظ کے تحت حاشیے میں دو وضاحتیں مرقوم ہوں گی: (۱) یہ لفظ کُل کتنی بار آیا ہے۔ (۲) مفرد طور پر کتنی بار اور مرکّب صورت میں کتنی بار آیا ہے۔ جہاں مکمل مصرع یا شعر لکھا جائے گا [جیسے پہلے دو اندراجات کے تحت] تو اُس کے آخر میں اُس مجموعے کا صفحہ نمبر لکھا جائے گا جس سے وہ ماخوذ ہوگا۔

اگر اِس طریقِ کار سے مختلف کوئی طریقۂ کار اختیار کیا جانا چاہیے تو اُس کی وضاحت ہونا چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ وضاحت آپ کریں گے یا پھر ناشر صاحبان۔

اِن سب سے پہلے اُس مجموعے کا تعیّن کرنا ہوگا (اور یہ آپ کریں گے) جس سے الفاظ ماخوذ ہوں گے اور جس کے صفحات کا حوالہ دیا جائے گا۔ یہ بھی لازم ہوگا کہ اُس مجموعے کی جُملہ اغلاط کی تصحیح آپ کے قلم سے ہو چکی ہو، تا کہ اعتماد کے ساتھ حوالہ دیا جا سکے۔ یہ کام یعنی تصحیح، نہ میں کر سکتا ہوں نہ کوئی اور۔ اِس کا ذمّہ آپ کو لینا ہوگا۔

یہ کتاب وہیں چھپے گی اُس ادارے کے تحت جس کی فرمایش پر یہ کام کیا جائے گا، ۲ یوں یہ بھی لازم ہوگا کہ کمپوزنگ کا کام وہیں ہو اور کاپیوں کی تصحیح بھی۔ تصحیح کا کام بھی آپ ہی کریں گے۔ کسی اور کے ذمّے اِس کام کو نہیں کیا جا سکتا۔ آخری کاپی بس ایک نظر میں دیکھنا چاہوں گا۔ مقدّمے میں یہ ساری تفصیلات لکھی جائیں گی ___ اب اگر پکڑے جائیں گے تو ہم دونوں ایک ساتھ پکڑے جائیں گے، واہ واہ! سبحان اللہ!!۔

ہاں، صرف اسما شمار میں آئیں گے۔ افعال اور حروف (متعلقاتِ فعل) شمار میں شامل نہیں ہوں گے۔ مثلاً اوپر اقبال کا جو مصرع لکھا گیا ہے، وہ شعر کا پہلا مصرع ہے۔ دوسرا مصرع یہ ہے: چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں ___ اِس کے صرف دو لفظ شمار میں آئیں گے: پیشانی ___ آسماں۔ دونوں لفظوں کے ساتھ مکمّل مصرع درج کیا جائے گا، اس طرح:

پیشانی : چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں ص ۔

آسماں : چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں ص۔

یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے (اگر ضروری خیال کیا جائے) کہ ہر مصرعے کے ساتھ صفحہ نمبر کے بعد یہ حوالہ بھی دے دیا جائے کہ یہ کس نظم کا مصرع ہے۔

غالب کے اشاریے میں میں نے ہر جگہ مکمّل شعر درج کیا ہے، مگر اقبال کے اشاریے میں میرا خیال ہے کہ صرف ایک مصرع کافی ہوگا۔

اب ضرورت سے زیادہ خامہ فرسائی ہو چکی، اِسے ختم کرتا ہوں۔ اب آپ وہاں مشورہ کر کے مجھے مطلع فرمائیے۔ اگر اِس کام کو ہونا ہے تو پھر تصحیح شدہ نسخہ آپ جب بھیج دیں گے، آپ کی صواب دید کے مطابق کام شروع کر دیا جائے گا۔ کارڈ منگاؤں گا بازار سے، سُنا ہے خاصے گراں ہو گئے ہیں۔ زیادہ گراں ہوئے تو سادہ کاغذ منگا کر گھر پر اُسی سائز کے ٹکڑے بنا لیے جائیں گے، فالتو پیسے کیوں خرچ ہوں۔ یہ احتیاط بھی ہے اور ضرورت بھی جو خاص مواقع پر مجبوری کے معنی میں آتا ہے۔

اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اِس مسئلے کے! بیّنوا و توجروا۔

آپ کے خط کی راہ دیکھوں گا۔

رشید حسن خاں

پس نوشت: ۱۵/اکتوبر کا خط مل گیا، تبصرہ بھی ہے، شکر گزار ہوں۔ میرے اِس خط کا جواب ضرور لکھیے گا۔

....

(تلخیص)

آئینہ ا : ۱۔ توڑے ہے عجز تنک حوصلہ بر روے زمیں
سجدہ تمثال وہ آئینہ، کہیں جس کو جبیں ص ۷

: ۲۔ خود پرستی سے، رہے باہمد گر نا آشنا
بیکسی میری شریک، آئینہ تیرا آشنا ص ۱۹

: ۳۔ ہر چند میں ہوں طوطیِ شیریں سخن، ولے
آئینہ آہ! میرے مقابل نہیں رہا ص ۲۱

: ۴۔ آئینہ داغِ حیرت و حیرت شکنجِ یاس
سیماب بے قرار و اسد بے قرار تر ص ۴۱

: ۵۔ نہاں ہے گوہرِ مقصود جَیبِ خود شناسی میں
کہ یہاں غواص ہے تمثال اور آئینہ، دریا ہے ص ۸۴

: ۶۔ لبِ نگار میں، آئینہ، دیکھ آبِ حیات
یہ گمرہیِ سکندر ہے محوِ حیرانی ص ۹۶

: ۷۔ کس کا سُراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا!
آئینہ فرشِ ششش جہتِ انتظار ہے ص ۲۱۷

: ۸۔ تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بہ صد ذوق
آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے ص ۲۱۹

دیکھیے ________: ۹۔ آبِ چشمۂ آئینہ۔ ۱۰۔ پُشت و رُخِ آئینہ۔
۱۱۔ چمن چمن گلِ آئینہ۔ ۱۲۔ حبابِ چشمۂ آئینہ۔ ۱۳۔ حیرت آئینہ۔

۱۴۔ دامِ جوہرِ آئینہ۔ ۱۵۔ کشورِ آئینہ۔ ۱۶۔ ہوسِ گستاخیِ آئینہ۔

آئینہ بندِ خلوت ومحفل : ہم زانوے تامّل وہم جلوہ گاہِ گل

آئینہ بندِ خلوت ومحفل ہے آئنہ ص ۶۹۔

آئینہ دارِ آہِ بے تاثیر : دل آگاہ تسکیں خیزِ بیدردی نہ ہو یارب!

نفس آئینہ دارِ آہِ [بے] تاثیر بہتر ہے ص ۱۰۸۔

آئینہ داری : تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری!

تجھے کس تمنّا سے ہم دیکھتے ہیں

ص ۱۷۹۔

آئینۂ اخلاقِ بہار : لالہ و گل بہم ، آئینۂ اخلاقِ بہار

ہوں میں وہ داغ کہ پھولوں میں بسایا ہے مجھے ص ۱۰۸۔

آئینۂ تصویر نما : معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ

تیغ ستم آئینۂ تصویر نما ہے ص ۲۱۹۔

آئینۂ تکرارِ تمنّا : دیر و حرم آئینۂ تکرارِ تمنّا

واماندگیِ شوق تراشے ہے پناہیں ص ۵۹۔

۱۔ آئینہ ــــــــ : بائیس (۲۲) بار۔

[مفرد: آٹھ (۸) بار ــــــ مرکّب: چودہ (۱۴) بار]۔ ۳

۱۔ ہاشمی صاحب کا خیال تھا کہ لغطیاتِ غالب (گنجینۂ معنی کا طلسم) کے بعد اگر خاں صاحب اسی طرز پر لفظیاتِ اقبال مرتب کر دیں تو حوالے کا یہ کام اقبالیات میں ایک وقیع اضافے کا باعث ہوگا۔ اُنھوں نے درخواست کی تو خاں صاحب نے یہ کام انجام دینے کی ہامی بھر لی۔ زیرِ نظر خط میں اُنھوں نے موعودہ لفظیاتِ اقبال کی کُچھ تفصیل پیش کی ہے۔

۲۔ ہاشمی صاحب اقبال اکادمی پاکستان، لاہور مجلسِ انتظامیہ اور ہیئتِ حاکمہ کے رُکن اور اکادمی کے علمی و ادبی مشیر تھے۔ انھیں گمان تھا کہ اکادمی کو لفظیاتِ اقبال شائع کرنے میں تامّل نہ ہوگا۔

۳۔ رشید حسن خاں نے اس منصوبے کی یہی تفصیل (عکسی نقل) جناب مشفق خواجہ کو بھی بھیجی اور ان سے مشورہ بھی چاہا۔ دیکھیے: خاں صاحب کا مکتوب محررہ ۲۱؍دسمبر ۲۰۰۲ء بہ نام مشفق خواجہ، جو اس کتاب کے ضمیمے میں دیا

جارہا ہے۔ خواجہ صاحب نے منصوبے کو پسند کیا اور اقبال اکادمی سے سفارش کی کہ وہ اس منصوبے کو جوں کا توں منظور کر کے، اپنے مستقبل کے اشاعتی منصوبوں میں شامل کر لے اور اس کام کے لیے باقاعدہ معاوضہ طے کر کے (خاں صاحب کے مالی حالات کے پیشِ نظر) کچھ رقم انھیں پیشگی ادا کر دی جائے۔ (دیکھیے: مشفق خواجہ کا مکتوب بہ نام ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی مرقومہ ۴ر دسمبر ۲۰۰۴ء مشمولہ: مکاتیبِ مشفق خواجہ بہ نام رفیع الدین ہاشمی) ۔ ہاشمی صاحب نے اپنے طور پر یہ منصوبہ اکادمی کے اربابِ حل وعقد سے منظور کرانے کی کوشش کی، مگر انھیں کامیابی نہ ہوئی۔ اکادمی کے ناظم محمد سہیل عمر نے کہا کہ لفظ شماری کا یہ کام ہم کمپیوٹر کے ذریعے کر رہے ہیں بلکہ کروا چکے ہیں، اس لیے اس کی ضرورت نہیں۔ حالاں کہ خاں صاحب نے واضح کیا تھا کہ یہ صرف لفظ شماری نہیں ہوگی معنویت کا پہلو بھی نمایاں ہوگا___ بہ ہر حال یہ منصوبہ نامنظور ہوا اور خاں صاحب اس کام سے دست کش ہو گئے۔

۴___ خاں صاحب کی کتاب کلاسکی ادب کی فرہنگ پر ہاشمی صاحب کا تبصرہ بازیافت شمارہ ۴ (۲۰۰۴ء) میں شائع ہوا تھا۔

☆☆☆

[خط: ۴۳]

شاہ جہاں پور
۱۰ر فروری ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

کل آپ کے دو پوسٹ کارڈ ایک ساتھ ملے، ۲۹ر جنوری اور ۱۹ر دسمبر کے۔ جن صاحب کے حوالے آپ نے کیے ہوں گے، اُنھوں نے اب حوالۂ ڈاک کیا۔ ایں ہم غنیمت است۔ اِس سے پہلے بھی آپ کا ایک خط ملا تھا۔ خرابیِ صحت کا احوال پڑھ کر بہت تشویش ہوئی، خداے پاک جلد تر شفا عطا کرے۔ میرا احوال بھی پچھلے پندرہ دن سے ٹھیک نہیں۔ نقاہت میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ چکّر سا آتا رہتا ہے۔ بہ ہر طور، دیوار سے جب دھوپ اُترنے لگتی ہے تو یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ میرے لیے بھی دعا کیجیے۔ اب اُس مسئلے کو ختم کیجیے۔ اب کسی کام کو مکمّل کرنے کی توانائی نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ وہ تو آپ کی تشویق تھی، ورنہ میں اُس پھیر میں نہ پڑتا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ میں اس پھیر میں نہیں پڑا۔ [1]

غالب والا کام نظرِ ثانی کے لحاظ سے ہنوز نامکمّل ہے، دیکھیے مکمّل ہوتا ہے کہ نہیں۔ بہ ہرطور جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ آپ اپنی صحت کے احوال سے مجھے ضرور باخبر رکھیے، جی لگا رہے گا۔

ہاں، بازیافت مجھے نہیں ملا [جس میں آپ کا تبصرہ شامل ہے اور جس کی عکسی نقل آپ نے بھیجی تھی] مل جاتا تو اچھا ہوتا۔ فراقی صاحب کی بے نیازی کو کیا کروں، آپ بھی اب کچھ نہیں کرسکتے۔ خیر، جانے دیجیے۔ اپنی صحت کے احوال سے مطلع کیجیے، منتظر رہوں گا۔

رشید حسن خاں

---

[1] ہاشمی صاحب کی فرمایش پر لفظیاتِ اقبال پر کام کرنے کے لیے خاں صاحب آمادہ ہوگئے تھے۔ اس کام کے طریق کے متعلق اُنھوں نے تمام تفصیل پچھلے خط [نمبر ۴۲] میں لکھی تھی مگر اقبال اکادمی کی بے نیازی کے سبب انھوں نے اس کا ارادہ ترک کردیا۔

[خط: ۴۴]

شاہ جہاں پور
۲رمئی ۲۰۰۵ء

مُحبّ صادق الوداد! آداب وتسلیم

آپ کا محبت نامہ مرقومہ ۱۱راپریل مل گیا تھا، اِس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا، اُن دنوں احوال خاصا خراب تھا، بیخوابی [کذا] نے بدحال کررکھا تھا، یوں میں نے عبدالوہاب خاں صاحب سے کہا تھا کہ وہ خط کی زبانی رسید آپ تک پہنچادیں۔ اب پہلے [سے] بہتر ہوں، لیکن آپ کی دُعاؤں کا متمنّی بھی ہوں اور محتاج بھی۔

آپ نے خواجہ مرحوم ۱ کے خطوں کی بابت لکھا ہے۔ میرے پاس بہت خط تھے، کُچھ تو خلیق انجم صاحب کی فرمایش پر انجمن کے ذخیرۂ مکتوبات کے لیے بھیج دیے اور کُچھ میری غفلت سے ضائع ہوگئے۔ اب جو تلاش کیا، بل کہ پولیس والوں کی طرح تلاشی لی تو بس ایک خط ملا۔ یہ خط اِس لفافے میں ملفوف ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ اِس کا عکس اپنے پاس رکھ لیجیے اور اصل خط عبدالوہاب خاں صاحب سلیم کے پاس بھیج دیجیے، میں نے اُن سے کہہ دیا ہے (عمرے کے لیے جانے سے پہلے)۔ اِس کی معذرت کہ میری غفلت نے مجھے آپ کے ارشاد کی تعمیل سے محروم رکھا۔ اِس کوتاہی کے لیے معذرت طلب ہوں۔

معین الرحمان صاحب کی تحریر پڑھ کر بہت دُکھ ہوا۔ ۲ یہ تو تہذیبی روایت کے منہ پر کالک پوتنا ہوا کہ مرنے والے کی تعزیت اِس طرح کی جائے! یہ گھٹیا پن کی انتہا ہے، مجھے بہت تکلیف پہنچی۔ مجھے وہ دن یاد آگیا جب اِن صاحب نے مجھے خط لکھا تھا [تحسین فراقی صاحب وغیرہ کا ہنگامۂ دیوانِ غالب نسخۂ لاہور ۳ برپا تھا اُن دِنوں] کہ آپ مشفق خواجہ سے کہہ دیجیے، میری صحت اِس ہنگامے کی متحمل نہیں ہوسکتی، میں نے خواجہ صاحب کو فوراً خط لکھا تھا۔ ۴ اب جب وہ نہیں رہے تو ایسی نامعقول نگارش سامنے آئی۔ اور یہ ''دعاہاے خاص'' کی بھی خوب

رہی! توبہ توبہ! ______ بھائی! آپ نے لکھا ہے کہ ''اِس تحریر پر جو ردِ عمل ہوا، وہ آیندہ بھیجوں گا''، اُسے فوری طور پر بھیجیے، میں ہر وقت راہ دیکھوں گا اُس لفافے کی، سب کام چھوڑ کر اِس کام کو انجام دیجیے میری خاطر۔

لفافے کو رجسٹری سے محض احتیاطاً بھیج رہا ہوں۔ اگر رسید مل جائے تو مجھے اطمینان ہو جائے گا۔ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں بہ ہمہ وجوہ۔

ہاں صاحب! میری سخت جانی نے آپ کی دعاہاے سحرگاہ کی مدد سے مدد لے کر ایک پُرانے منصوبے پر اِسی ہفتے سے کام شروع کیا ہے۔ غالب والا کام تو مکمّل ہو گیا، اُس کی کمپوزنگ ہو رہی ہے ۵۔ عہدِ عالم گیر میں اُردو کا پہلا لغت علاقۂ ہریانہ میں مرتّب کیا گیا، اِس کے مرتّب تھے مولوی عبدالواسع ہانسوی، یہ بہت اہم کام ہے لسانی تشکیل اور ارتقا کے نقطۂ نظر سے، اُردو لفظوں کی ایسی قدیم اور ابتدائی شکلیں سامنے آتی ہیں جن سے اب شاید ہی کوئی آشنا ہو؛ اِس لغت کو مرتّب کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اب سے پندرہ سال پہلے، بارے اب اُس کی نوبت آپائی۔ بہت جان لیوا کام ہے، بہت صبر آزما اور پریشان کُن۔ آپ کی مزید دُعاؤں کی ضرورت ہے۔ آٹھ دن میں چار لفظوں پر حواشی لکھے جا سکے ہیں۔ خیال یہ آیا کہ اب یہ کام نہ ہوا تو پھر کبھی نہیں ہو گا اور کوئی دوسرا ایسے ''غیر ضروری'' اور طویل المیعاد کام کو کیوں کرنے لگا۔ سارے متعلقہ نسخے اور مآخذ پہلے ہی جمع کر رکھے تھے، اب وہ کام آ رہے ہیں۔ یہ میں نے ٹھیک کام کیا نا؟ کیا فرماتے ہیں علماے دین بیچ اِس مسئلے کے! رسید بھیجیے۔

رشید حسن خاں

جس اردو کانفرنس کی بابت آپ نے پوچھا ہے، جی ہاں اُن دنوں میں ''لکھنا لکھانا'' شروع کر چکا تھا۔ میرا پہلا مضمون احمد ندیم قاسمی صاحب کے قطعات کے مجموعے رم جھم (شاید یہی نام تھا) پر شاعر (آگرہ) میں شائع ہوا تھا، پھر اثر لکھنوی کے ترجمۂ گیتا پر طویل تبصرہ چھپا تھا اور پھر نگار میں شبلی کی فارسی شاعری پر طویل مضمون چھپا تھا (وغیرہ)۔ یہ ۱۹۵۲ء سے پہلے کی بات ہے۔ پھر ۱۹۵۴ء میں (سنہ اچھی طرح یاد نہیں) فیض کے مجموعے دستِ صبا پر اور ۱۹۵۵ء میں مجروح کے مجموعے غزل پر طویل تبصرے شائع ہوئے (وغیرہ)۔ پھر اُردو ادب میں طویل تحریر ''اغلاط اللغات'' شائع ہوئی تھی۔ کانفرنس میں میں نے کوئی مقالہ نہیں پڑھا تھا۔ اور ہاں! میں نے نمایندگی کی تھی، شاہ جہاں پور کی شاخ انجمن ترقّیِ اُردو کی، جو دو سال پہلے ہی

شاہ جہاں پور میں قائم ہوئی تھی۔ ہاں یہ درست ہے کہ اُن دنوں پڑھنے لکھنے سے کچھ زیادہ شوق ہاکی کھیلنے کا تھا۔ یہ شوق 1952ء سے دامن گیر ہوا تھا۔ ٹریڈ یونین کے ہنگامے ختم ہو چکے تھے ۴۸ء ہی میں۔ ۱۹۵۲ء میں اسلامیہ ہائی اسکول میں ملازم ہو گیا تھا اُردو پرشین ٹیچر کے طور پر۔ مولانا عرشی مرحوم سے پہلی بار ملاقات اِسی کانفرنس میں ہوئی تھی۔ مجھے مولانا کا یہ جملہ آج تک یاد ہے کہ ارے بھائی! داڑھی کہاں رکھ آئے؟ وہ مجھے میری تحریروں سے عمر رسیدہ مولوی سمجھتے تھے، میں نکلا کچھ اور۔ وہ بھی کیا دن تھے!!

---

۱ مشفق خواجہ مراد ہیں۔ ڈاکٹر ہاشمی چاہتے تھے کہ خاں صاحب کے نام خواجہ صاحب کے مکاتیب کی نقل اُنھیں حاصل ہو جائے، مگر افسوس کہ وہ خطا اُنھیں حاصل نہ ہو سکے۔

۲ مشفق خواجہ کی وفات کے بعد لاہور کے ادبی رسالے ماہ نامہ الحمرا کے شمارہ مارچ ۲۰۰۵ء میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن (۵/نومبر ۱۹۴۲ء - ۱۵/اگست ۲۰۰۵ء) کا ایک تعزیتی مضمون شائع ہوا۔ اس مضمون کے کئی جملے بعد میں ہدفِ اعتراض بنے۔

۳ ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن نے نسخۂ خواجہ کے نام سے دیوانِ غالب کا ایک قلمی عکس شائع کیا۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے اسے نسخۂ خواجہ ماننے سے انکار کیا اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ یہ وہی نسخہ ہے جو پنجاب یونی ورسٹی کی لائبریری کی ملکیت رہ چکا ہے اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ، قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور ایس ایم اکرام اس نسخے کا تعارف کرا چکے ہیں۔ یہ جھگڑا بہت طول پکڑ گیا اور فریقین کے درمیان تلخی بڑھتی گئی۔ اس نزاع میں دونوں طرف سے کئی مضامین اور کتابچے بل کہ کتابیں شائع ہوئیں۔

۴ اس کی تفصیل صدیق جاویدکی کتاب ڈاکٹر سید معین الرحمن --- تحقیق کے چراغ تلے میں ملتی ہے۔

۵ مراد ہے گنجینۂ معنی کا طلسم — جس کا حصہ اول مکمل ہوا تھا۔

☆☆☆

[خط: ۴۵]

شاہ جہاں پور
۸ر جون ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

آپ کے دو لفافے ملے، شکر گزار ہوں۔ ایک خط خلیق انجم صاحب کو بھیج دیا گیا ۱، اگر چہ ہونا کچھ نہیں۔ اُن کا فون کل آیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ یہاں کوئی خط نہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ میں خط سنبھال کر نہیں رکھتا، بل کہ یوں کہوں کہ رکھتا ہی نہیں، یہ اس کا نتیجہ ہے۔ معین الرّحمان صاحب سے متعلّق تحریریں پڑھیں، افسوس ہوا اُن کے حال پر۔ معلوم نہیں اُنھیں کیا ہوا ہے! ہاں صاحب! جس کتاب کا آپ نے حوالہ دیا ہے کہ معین صاحب سے متعلّق کسی صاحب نے اِسی سلسلے میں مرتّب کی ہے ۲ اور آپ کو بھی بھیجی ہے، وہ آج کے دن تک تو یہاں نہیں پہنچی، شاید دو چار دن میں آ جائے۔ رات عبدالوہاب خاں صاحب کا فون آیا تھا، اُنھوں نے بھی اِس کتاب کا ذکر کیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے تو مل گئی۔ خیر، مجھے بھی مل ہی جائے گی۔ ڈاک میں تاخیر تو ہو ہی جاتی ہے۔

لیکن حضورِ والا! آپ نے اپنے مجموعۂ مضامین کا کئی مہینے پہلے ذکر کیا تھا کہ چھپ گیا ہے یا چھپ رہا ہے، اقبال سے متعلّق : ۳ اُس کا کیا ہوا؟ میری آنکھیں اُسے دیکھنے کی متمنّی ہیں۔ اگر چھپ چکا ہو تو سب کام (اچھا یا بُرا جو بھی ہو) چھوڑ کر اُسے بھیجیے رجسٹری سے۔ اب اِس میں تاخیر نہیں ہونا چاہیے۔

الفاظِ غالب سے متعلّق کتاب (گنجینۂ معنی کا طلسم) کی کمپوزنگ ایک صاحب دہلی میں کر رہے ہیں، اب تک صرف ۱۰۹ صفحے ہو پائے ہیں، معلوم نہیں میری زندگی میں مکمّل ہو گی بھی؟ ہاں، آپ کو اطمینان ہو گا کہ غرائب اللّغات کے مسوّدے کے ۳۹ صفحے کل تک مکمّل ہو گئے۔ ابھی الف کے الفاظ زیرِ بحث ہیں۔ چاہتا ہوں کہ چھے مہینے میں یہ کتاب مکمّل

ہو جائے۔ آپ دُعا کرتے ہی نہیں، آپ تو معین صاحب کو دعائیں دیتے رہتے ہیں۔ دعا کیجیے تو شاید جلد تر مکمل ہو جائے اگرچہ تحقیق کے لحاظ سے: جلدی کام ہے شیطان کا___ خدا اس سے محفوظ رکھے۔ الحمرا ۴ میں جو قلم کاری ہو رہی ہے تو خیال آیا کہ ایسے زرّیں موقعے پر فراقی صاحب کو تو یہیں ہونا چاہیے تھا۔ ۵ ہاں الحمرا کے نام پر یاد آیا کہ غالباً ۵۰ء کے بعد اور ۵۵ء سے پہلے حامد علی خاں مرحوم کے زمانے میں اثر لکھنوی مرحوم سے دو سال تک اس رسالے کے صفحات پر گفتگو ہوتی رہی تھی بعض الفاظ کے سلسلے میں۔ میرا طویل مضمون: ''لُغت اور استعمالِ عام'' اُسی بحث کے مختلف اجزا کی ترتیبِ نو پر مشتمل ہے، یہ مضمون میری کتاب زبان اور قواعد میں شامل ہے، جس کا دو تین سال پہلے تیسرا اڈیشن آیا ہے۔ اِس سے سال بھر پہلے اُردو املا کا دوسرا اڈیشن آیا تھا۔ املا پر آپ کا عمدہ اور بہ قیمت بہتر مضمون پڑھ چکا تھا، بہت پسند آیا تھا اور بہت جی خوش ہوا تھا۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ یہ آپ نے بہت ضروری اور بہت مفید کام کیا اور بہتر انداز سے ۶۔ ہاں صاحب! میرے پاس اخبارِ اُردو ۷ برابر آتا تھا، اب کئی سال سے نہیں آتا۔ اُس سے بہت سی باتیں معلوم ہو جایا کرتی تھیں۔ معلوم نہیں اب اُس کے اڈیٹر کون صاحب ہیں؟ کیا کسی سفارش سے کام چل سکتا ہے کہ رسالہ ملتا رہے۔ میں اسلام آباد میں کسی کو جانتا نہیں، اور یہ بھی ہے کہ مجھ جیسے ناکارہ اور ہیچ کارہ کی سُنے گا کون!

مسعود احمد برکاتی صاحب ۸ نے ایک کتاب بھیجی، کتاب میری، نام میرا رکھا ہوا نہیں۔ اُردو عبارت کیسے لکھیں یعنی اُردو کا لفظ بڑھا کر میری جہالت کی نہایت عمدہ مثال فراہم کر دی گئی۔ تخلیقات مزنگ لاہور نے چھاپی ہے۔ اور معلوم نہیں کس نے کیا چھاپا ہے۔ اتنی بھی خوش اخلاقی نہیں کہ ایک نسخہ ہی بھیج دیں۔ بہ ہر طور، آپ نے میری کتابوں سے متعلق جو کُچھ لکھا ہے، وہ بجا [کذا] و درست، میں تو پہلے ہی سارے حقوق آپ کو دے چکا، اب اُس کی تکرار کرتا ہوں اور توثیق کرتا ہوں۔ جس کتاب کو جس طرح جی چاہے چھپوائیے۔ مجھے بس ایک نسخہ چاہیے ہے، ایک سے زیادہ میں کیا کروں گا۔ ہاں آپ جو چاہیں کریں، جسے چاہیں بھیجیں۔ غرض کہ پاکستان میں آپ میری ہر کتاب کو اپنی صواب دید کے مطابق چھپوا سکتے ہیں۔

یہ آپ کیا لے کر بیٹھ گئے! میرے پُرانے مضامین کا اب کیا ہوگا؟ اُن میں سے بیش تر تو گویا ''دورِ جاہلیّت'' کی پیداوار ہیں، اب اُنھیں بھول جانا ہی بہتر ہے۔ ہاں ۶۰ء کے بعد کے کُچھ مضامین ہیں جو چھپ سکتے ہیں، مگر اب طبیعت اِدھر نہیں آتی ___ میرے پاس بعض

مضامین نہیں، اُن میں قابلِ ذکر ہے: شبلی کی فارسی شاعری، جو نگار میں چھپا تھا غالباً ۵۵ء سے پہلے، صحیح زمانہ یاد نہیں۔ اب اُسے پھر سے لکھنا دردِ سر ہے، یوں کبھی سوچا ہی نہیں؛ آپ بھی اُن کو بھول جائیے۔ اور بھی کام زمانے میں ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ ایسے قابلِ ترک بعض مضامین کی نشان دہی کرتا ہوں محض آپ کی معلومات کے لیے، چھاپنے کے لیے نہیں:

(۱) اغلا[ط] اللّغات: اُردو ادب (علی گڑھ) مارچ ۱۹۵۸ء ___ پچاس صفحے کا مضمون ہے۔ اب دیکھتا ہوں تو ہنسی آتی ہے کہ کتنا فالتو وقت تھا میرے پاس!

(۲) گل کرسٹ کی ایک کتاب: نیا دور (لکھنؤ) ستمبر ۱۹۶۴ء۔

(۳) غزلِ مجروح (مجروح کے مجموعۂ کلام غزل پر طویل تبصرہ) تحریک (دہلی): اکتوبر ۱۹۵۵ء۔

(۴) سموم و صبا پر ایک نظر (جوش کے مجموعۂ کلام کا جائزہ) نگار (لکھنؤ) ستمبر ۵۴ء۔

(۵) نغمۂ جاوید پر ایک نظر (اثر لکھنوی کے ترجمۂ گیتا کا طویل جائزۂ اغلاط) شاعر بمبئی اپریل ۱۹۵۳ء

(۶) ذوق وجنوں پر ایک نظر (آلِ احمد سرور کے مجموعۂ کلام کا مفصّل جائزہ، جسے سرور صاحب نے آخر تک معاف نہیں کیا) نیا دور، لکھنؤ۔ جولائی ۱۹۵۷ء۔

(۷) دیوانِ کامل و شاداں (جنھیں غالب نے پالا پوسا تھا۔ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ اُن کے مخطوطۂ دیوان کی سرسری تدوین) نگار (رام پور) مارچ ۱۹۶۳ء

(۸) ''ثانوی اداروں میں اُردو کا نصاب'': ہماری زبان (علی گڑھ) ۲۴۔ مئی ۱۹۶۰ء۔

(۹) ''جذباتِ نادر پر ایک نظر'': ممتاز حسن صاحب کے مرتبہ نسخۂ جذباتِ نادر کا طویل جائزہ۔ اِس میں نادر کاکوروی کی ایسی سترہ (۱۷) نظمیں مختلف رسائل سے نقل کر کے شامل کی گئی تھیں جو اِس مجموعے میں بھی شامل نہیں اور اب اُن سے کم سے کم لوگ واقف ہوں گے۔ سُنا گیا تھا کہ ممتاز صاحب بہت ناراض رہے۔ خیر، میں نے اپنی رائے میں ایک اچھا کام کیا تھا ___ نگار (رام پور) مئی ۱۹۶۳ء۔

(۱۰) تاریخِ لطیف: مہدی علی خاں کتاب دارِ رضا لائبریری رام پور کے تاریخی قطعات کے غیر مطبوعہ مجموعے کا تعارف اور مکمل متن۔ دہلی کالج میگزین ۱۹۶۴ء۔

(۱۱) اُردو کی ادبی تاریخ: عبدالقادر سروری۔ تحریک دہلی ۱۹۶۰ء

(۱۲) فاعتبروا: ڈاکٹر پروفیسر رفیق حسین (صدر شعبۂ اُردو الہ آباد یونی ورسٹی) کے پی ایچ ڈی کے مقالے کا جائزہ۔ تحریک دہلی غالباً ۱۹۵۹ء۔

۵۰ء سے پہلے کے بھی ایک یا دو مضمون تھے، مگر اب اُن کا وجود نہ میرے ذہن میں ہے اور نہ کاغذ پر۔ معلوم نہیں کیا ہوئے۔ ہاں اتنا یاد ہے (مبہم سا) کہ احمد ندیم قاسمی کے مجموعۂ قطعات رم جھم پر ایک تبصرہ تھا۔ ۶۰ء کے بعد کے تو بہت سے مضمون ہیں جو میرے پاس ہیں، مگر وہی بات کہ اب میرے لیے وہ حرفِ فراموش ہیں۔ آپ بھی بھول جائیے۔ مثلاً ایک تحریر تھی: ''اُردو دانش وری اِس دہائی میں''۔ خدا بخش لائبریری کے ایک سمینار میں پڑھی تھی (وغیرہ)۔ اب اِن سب کو عہدِ گذشتہ کے نشانِ بیکار سمجھ کر ڈال دیا ہے۔ آپ کے خط کا جواب لکھنا من جملۂ واجبات تھا، یوں انھیں دیکھا گیا برسوں کے بعد۔

میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کے سبھی استفسارات کا جواب لکھ دیا۔ اور آخر میں وہی پُرانی بات کہ خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

محض بہ طورِ نمونہ ایسی دو تین فضول تحریریں اِس لفافے میں ملفوف ہیں ۹۔ یہ اِس لیے بھیج رہا ہوں کہ آپ اِنھیں پڑھ کر خود اندازہ کرلیں کہ اب یہ کس قدر ''از وقت رفتہ'' ہو چکی ہیں۔ کہیے پڑھ کر وقت ضائع کرنے پر غصہ آیا؟۔

۱۔ ہاشمی صاحب نے مشفق خواجہ کے خطوط بہ نام رشید حسن خاں کے حصول کے لیے خلیق انجم صاحب کو خط لکھا تھا۔

۲۔ ڈاکٹر صدیق جاوید کی کتاب ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن ـــــ تحقیق کے چراغ تلے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کتاب مئی ۲۰۰۵ء میں مثال پبلشرز، فیصل آباد نے شائع کی۔

۳۔ ہاشمی صاحب کا یہ مجموعۂ مضامین: اقبالیات: تفہیم و تجزیہ [۲۰۰۵ء] میں اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب پر ہاشمی صاحب کو ۲۰۰۵ء کا ''قومی صدارتی اقبال اوارڈ'' بھی ملا۔

۴۔ الحمرا مولانا حامد علی خاں نے لاہور سے جاری کیا تھا جو ۱۹۹۵ء تک شائع ہوتا رہا۔ بعد ازاں ان کے صاحب زادے شاہد علی خاں نے جنوری ۲۰۰۱ء سے اس کا دوبارہ اجرا کیا جو تا حال جاری ہے۔

۵۔ اُن دنوں ڈاکٹر تحسین فراقی تہران یونی ورسٹی، ایران میں فرائضِ تدریس انجام دے رہے تھے۔

۶ ڈاکٹر ہاشمی نے جنوری ۲۰۰۴ء میں ''اردو املا: چند اصول اور قاعدے'' کے عنوان سے املا کے ۲۸ اصولوں پر مشتمل ایک مضمون تیار کیا تھا جو اخبارِ اردو اسلام آباد، ہماری زبان دہلی، کتاب نما دہلی، قومی ڈائجسٹ لاہور اور متعدد دیگر جرائد میں شائع ہوا۔

۷ مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد کا ماہوار ترجمان۔ یہ رسالہ پچھلے پچیس سال سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ ادبی سرگرمیوں کے تذکرے اور تازہ مطبوعات پر تعارف و تبصرہ کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی موضوعات پر مضامین بھی اس رسالے میں شائع ہوتے ہیں۔

۸ معروف ادیب اور ماہنامہ نونہال کراچی کے مدیر اعلا۔ علمی و ادبی کاموں میں حکیم محمد سعید (۹ رجنوری ۱۹۳۰ء - ۱۷را اکتوبر ۱۹۹۸ء) کے دستِ راست رہے۔ ۵۵ برس سے ہمدرد کی مجلسِ ادارت میں شامل ہیں۔

۹ ہاشمی صاحب، خاں صاحب کے مضامین کو یکجا کر کے شائع کرنا چاہتے تھے۔ کچھ مضامین خاں صاحب سے حاصل ہوئے، چند ایک ڈاکٹر رفاقت علی شاہد نے مہیا کیے، بعض انھوں نے خود تلاش کیے۔ اس طرح ۱۵، ۱۶ مضامین جمع کر کے، ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر (استاذ شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد) کے سپرد کیے کہ وہ انھیں مرتب کر کے شائع کر دیں۔

☆☆☆

[خط:۴۶]

شاہ جہاں پور
۳۱ر جولائی ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

کتاب مل گئی، ممنون ہوں۔ پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ لیکن آپ نے یہ دیکھا کہ وحید قریشی صاحب نے کیا لکھا ہے: ''تدوین کا کام دفتری عملے نے انجام دیا اور اُنھی پر اِس کی ذمّے داری عائد ہوتی ہے''۔ یہ بھی لکھا ہے: ''میرے زمانے میں چار اڈیشن شائع ہوئے''۔ ارے صاحب! جب دفتری عملے نے کام کو انجام دیا تھا تو آپ کو تو ایک اڈیشن کو بھی شائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آج تک ایسا کہیں نہیں ہوا ہو گا کہ اتنے بڑے ادارے میں تدوینِ متن کا کام ''دفتری عملہ'' انجام دے اور ناظم صاحبان تنخواہ لیتے رہیں اور صاد کرتے رہیں! یاللعجب!!

بھائی! حیدری صاحب والے معاملے میں میں آپ سے متفق نہیں۔ ۱ یہ میری قطعی رائے ہے کہ ''حیدری'' سے اقبال کی مراد سر اکبر حیدری ہی ہیں، ورنہ کسی دوسرے حیدری کو تلاش کرنا ہو گا جو ابھی تک تو ملا نہیں۔ اور ہاں ''میر انیس اور علاّمہ اقبال'' والے مضمون میں یہ جملہ پڑھ کر دیر تک وجد کا عالم طاری رہا: ''لکھنؤ کے خوش مزاج اِس اعتبار سے بے نصیب رہے کہ وہ مرثیے کے مثالی کرداروں سے رونے کے سوا اور کُچھ بھی حاصل نہ کر سکے۔'' واہ واہ، سُبحان اللہ! اور ''خوش مزاج'' کی بلیغ معنویت بھی داد سے مستغنی ہے۔ ۲

معین صاحب سے متعلق کتاب بھی مل گئی۔ ۳ شکر گزار ہوں۔ اگر اِس کتاب پر بھیجنے والے کا نام بھی ہوتا تو شکریے کا خط اُن صاحب کو لکھتا، یوں آپ کا شکریہ ادا کر رہا ہوں۔

میرا پیکٹ مل گیا، اطمینان ہوا۔ اس میں ۵ پُرانی تحریریں تھیں۔ میرے لیے اب یہ سب بیکار [کذا] ہیں، آپ رکھنا چاہیں تو رکھیں، ورنہ ردّی کی ٹوکری کے حوالے کیجیے۔ ایسی اور تحریریں بھی ہیں۔ میرے لیے ایسی سب تحریریں اب غیر ضروری اور فضول اشیا کے ذیل میں رکھے

جانے کے لائق ہیں۔ تھا وہ ایک زمانہ۔

آپ نے پچھلے خط میں اطہر فاروقی ۴ کا پتا پوچھا تھا۔ اب یاد نہیں آتا کہ میں نے اپنے خط میں لکھا تھا یا نہیں۔ بہ ہر طور اب لکھتا ہوں:

ڈاکٹر اطہر فاروقی

C/o Dr. Arjumand Ara,

H-3, Teachers Transit Hostel,

Mukarjee Nagar,Delhi-110009.

ارجمند آرا، اطہر کی بیگم کا نام ہے۔ یہ دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو میں لیکچرر ہیں۔ آپ نے دنوں سے خط نہیں لکھا؛ اب تو لکھیے۔

رشید حسن خاں

---

۱ ہاشمی صاحب نے اپنے ایک مضمون "سر اکبر حیدری اور اقبال" [مشمولہ اقبالیات: تفہیم و تجزیہ] میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "عسکری اندر لباسِ حیدری" میں حیدری سے مراد سر اکبر حیدری نہیں۔ رشید حسن خاں ان کی اس رائے سے متفق نہیں تھے۔

۲ یہ مضمون بھی مذکورہ بالا مجموعہ مقالات اقبالیات: تفہیم و تجزیہ میں شامل ہے۔

۳ ڈاکٹر صدیق جاویدکی کتاب: ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن —— تحقیق کے چراغ تلے۔

۴ صحافی اور شاعر، اصل نام محمد اطہر [پ: ۱۵/اگست ۱۹۶۳ء] ہندوستان کی آزادی کے بعد اُردو کا سماجی و سیاسی مطالعہ کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی۔ اطہر فاروقی نے رشید حسن خاں پر لکھے گئے مضامین کا ایک مجموعہ رشید حسن خاں (شخصیت اور ادبی خدمات) ۲۰۰۲ء میں مکتبۂ جامعہ دہلی سے شائع کیا۔

☆☆☆

[خط: ۴۷]

شاہ جہاں پور
۱۲ر ستمبر ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

مکتوب مرقومہ ۲۹ر اگست مجھے کل ملا، شکریہ۔ ۱

[۱] مجموعے کا آخری اڈیشن، یعنی حیاتِ اقبال کا آخری اڈیشن ہو یا اُن کے انتقال کے بعد پہلی بار شائع ہوا ہو، متن کی بنیاد اُس کو بنایا جائے گا۔ مثلاً ضربِ کلیم کا ۱۹۳۶ء والا اڈیشن اور ارمغانِ حجاز کا نومبر ۱۹۳۸ء کا اڈیشن۔ (۲) کتابت کے دو پروف میں پڑھوں گا اور تیسرا پروف (فائنل پروف) آپ پڑھیں گے، اِس طرح اگر کوئی تصحیح طلب بات ہوگی تو آپ اُس کی نشان دہی کر دیں گے اور یہاں اُس کی درستی ہو جائے گی۔ (۳) ہاں، یہ بتانا ہوگا کہ یہ نظم، غزل کس زمانے کی ہے اور پہلے اِس کا عنوان کیا تھا۔ اور اگر کوئی بڑی تبدیلی کی گئی ہو (مثلاً کسی نظم کو غزل بنا دیا گیا ہو، وغیرہ) اِس کی نشان دہی بھی کی جائے گی۔ (۴) باغ و بہار، فسانۂ عجائب کلاسکی متن ہیں، یوں اُن کے لسانی مسائل بھی بہت ہیں، کلامِ اقبال سے یہ مسائل غیر متعلق ہیں، اِس بنا پر جیسے ضمیمے اُن متون میں شامل کیے گئے، وہ ضمیمے یہاں نہیں ہوں گے، اُن کی نہ گنجایش ہے نہ ضرورت۔ ہاں ضروری حواشی شامل کرنا ہوں گے، ایسے حواشی جو بہت ضروری ہوں۔ (۵) ہر شعر کی ابتدائی شکل بتانا ضروری نہیں، ہاں صرف اہم تبدیلیوں کو شامل کرنا مناسب ہوگا۔ ضروری مقامات پر آپ اپنے یا کسی کے کسی مضمون کا حوالہ دے سکتے ہیں کہ مزید تفصیل وہاں دیکھی جائے۔ اِس مجوّزہ کلیات کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہو، اِس کا بھی لحاظ رکھنا ہوگا۔ چوں کہ شروعات ارمغانِ حجاز کے اُردو حصّے سے ہوگی اور وہ نسبتاً مختصر ہے، اِس لیے اِس متن کے حواشی سے دوسرے مجموعوں کے حواشی کے انداز کا بہ خوبی اندازہ ہو جائے گا اور فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ (۶) جو کلام، اقبال نے شاملِ مجموعہ نہیں کیا، لیکن وہ اقبال میوزیم میں محفوظ ہے، ضمیمے میں اُسے ضرور شامل کیا جائے گا۔ غیر ضروری تفصیل کے بغیر۔ ۲

دیکھیے پیر جی مکرّم! صحت میری بھی ناقابلِ اعتبار ہے، زیادہ وقت اور فرصت میرے پاس بھی نہیں، معلوم نہیں کب بُلاوا آجائے، اِس لیے تدوین میں معیار کے ساتھ ساتھ عملی پہلو کو

شاہ جہاں پور
۱۱ ستمبر ۲۰۰۵ء

محبِّ مکرم!

مکتوب مرقومہ ۲۹ اگست مجھے کل ملا، شکریہ۔
مجموعے کا آخری اڈیشن، یعنی حیاتِ اقبال کا آخری اڈیشن ہو یا اُن کے انتقال کے بعد پہلی بار شائع ہوا ہو، متن کی بنیاد اُسی کو بنایا جائے گا۔ مثلاً ضربِ کلیم کا سنہ ۱۹۳۶ء والا اڈیشن اور ارمغانِ حجاز کا نومبر ۱۹۳۸ء کا اڈیشن — (۲) کتابت کے دو پروف میں پڑھوں گا اور تیسرا پروف (فائنل پروف) آپ پڑھیں گے، اس طرح اگر کوئی تصحیح طلب بات ہوگی تو آپ اُس کی نشان دہی کر دیں گے اور یہاں اُس کی درستی ہو جائے گی۔ (۳) ہاں، یہ بتانا ہوگا کہ یہ نظم، غزل کس زمانے کی ہے اور پہلے اسکا عنوان کیا تھا۔ اور اگر کوئی بڑی تبدیلی کی گئی ہے (مثلاً کسی نظم کو غزل بنا دیا گیا وغیرہ) اسکی نشان دہی بھی کی جائے گی۔ (۴) باغ و بہار، فسانۂ عجائب کلاسیکی متن ہیں۔ ان کے لسانی مسائل بھی بہت ہیں، کلامِ اقبال سے یہ مسائل غیر متعلق ہیں، اس بنا پر جیسے ضمیمے اُن متون میں شامل کیے گئے، وہ ضمیمے یہاں نہیں ہوں گے، اُن کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت — ان ضروری حواشی شامل کرنا ہوں گے، ایسے حواشی جو بہت ضروری ہوں۔ (۵) ہر شعر کی ابتدائی شکل بتانا ضروری نہیں، ہاں صرف اہم تبدیلیوں کو شامل کرنا مناسب ہوگا۔ (ضروری مقامات پر آپ اپنے یا کسی اور کسی مضمون کا حوالہ دے سکتے ہیں کہ وہاں تفصیلی اطلاعات ملیں گی) اسی مجوزہ کلیات کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہو، اسکا بھی لحاظ رکھنا ہوگا۔
چونکہ شروعات ارمغانِ حجاز کے اردو حصے سے ہوگی اور وہ نسبتاً مختصر ہے، اس لیے اس متن کے حواشی سے دوسرے مجموعوں کے حواشی کے انداز کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا اور فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی — (۶) جو کلام اقبال نے شاملِ مجموعہ نہیں کیا، لیکن وہ اقبال میوزیم میں محفوظ ہے، ضمیمے میں اُسے ضرور شامل کیا جائے گا۔ غیر ضروری تفصیل کے بغیر۔
دیکھیے پیر جی مکرم! صحت میری بھی ناقابلِ اعتبار ہے، زیادہ وقت اور فرصت میرے پاس بھی نہیں، معلوم نہیں کب بلاوا آ جائے، اسی لیے تدوین میں معیار کے ساتھ ساتھ عملی پہلو کو بھی ہم دونوں کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ یہ میری دلی خواہش ہے اور آپ اس میں شریکِ غالب کی حیثیت رکھتے ہیں کہ یہ کلیات مرتب ضرور ہو اور شائع بھی ہو! یہ گویا ہندوستان اور پاکستان، دونوں ملکوں کی طرف سے اعترافنامہ ہوگا اور اسکی ایک طرح سے تاریخی حیثیت ہوگی۔ یہ ہونا اسی کا ہے، بہ طور مکمل کرنا ہے۔ آپ اللہ کا نام لے کر شروع کر دیجیے کہ، پہلا ارمغانِ حجاز (حصۂ اردو) کا متن مکمل کر دوں اور اُسکی کمپوزنگ ہو اور وہاں آپ اُسکے حواشی لکھیں۔ مکمل کام اس طرح جاری رہے گا۔ جب لکھ چکا ہوں، دو بار کاپیاں میں پڑھوں گا اور اُن کی تصحیح ہو کر فائنل منظوری کے لیے اُنھیں آپکے پاس بھیج دیا جائے گا۔

بھی ہم دونوں کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ یہ میری دلی خواہش ہے اور آپ اِس میں شریکِ غالب کی حیثیت رکھتے ہیں کہ یہ کلیات مرتب ضرور ہو اور شائع بھی ہو؛ یہ گویا ہندستان اور پاکستان، دونوں ملکوں کی طرف سے اعتراف نامہ ہوگا اور اِس کی ایک طرح سے تاریخی حیثیت ہوگی، یوں اِس کام کو بہ ہر طور مکمل کرنا ہے۔ آپ اللہ کا نام لے کر شروع کر دیجیے کام کو، میں یہاں ارمغان حجاز (حصۂ اُردو) کا متن مکمل کروں اور اُس کی کمپوزنگ ہو اور وہاں آپ اُس کے حواشی لکھیں۔ مکمل کام اِس طرح جلدی ہوگا۔ جیسا کہ لکھ چکا ہوں، دو بار کاپیاں میں پڑھوں گا اور اُن کی تصحیح بنوا کر فائنل منظوری کے لیے اُنھیں آپ کے پاس بھیج دیا جائے گا۔ جب آپ دیکھ لیں گے اور مطمئن ہوں گے، تب اُس حصے کو مکمل مانا جائے گا۔ اِسی طرح بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم کی ترتیب و تصحیح ہوگی۔ ارمغان حجاز مختصر ہے یوں ہم دونوں کو عملی صورتِ حال کا شروع ہی میں بہ خوبی اندازہ ہو جائے گا اور پھر اُسی کو مثال بنا کر دوسرے حصے مکمل کیے جائیں گے۔

ارمغان حجاز اشاعت ۱۹۳۶ء کے عکس اور اُس کے متن سے متعلق کاغذات کا منتظر ہوں تاکہ جلد از جلد کام شروع کر سکوں۔ جب متن مکمل کر لوں گا تو کمپوزنگ کے لیے بھیجنے سے پہلے آپ سے مشورہ کروں گا اور آپ کی منظوری اور اطمینان کے بعد یہاں کمپوزنگ شروع ہوگی۔

ہاں صاحب! آپ نے ۲۰۰۴ء کے کلیاتِ اقبال (اقبال اکیڈمی) کا حوالہ دیا ہے۔ اُسے میں نے نہیں دیکھا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ حصۂ اُردو وہ لوگ اپنے صرف پر میرے نام بھیج دیں۔ آخر "مجلسِ مشاورت" کے ایک ممبر کا اتنا حق تو ہوتا ہے۔ آپ ایک بار کہہ کر تو دیکھیے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کی بات مان لیں گے۔

چشم براہ [کذا] ہوں۔

رشید حسن خاں

---

۱ ڈاکٹر خلیق انجم نے کلیاتِ اقبال کی تدوین کے لیے خاں صاحب سے رجوع کیا، وہ رضامند ہو گئے، بشرطیکہ ہاشمی صاحب شریک مدوّن ہوں، جس پر خلیق انجم نے ہاشمی صاحب کو خط لکھا (عکس بالمقابل صفحے پر دیکھیے)، ہاشمی صاحب نے دونوں کو خط لکھ کر بخوشی رضامندی کا اظہار کر دیا، خاں صاحب کا یہ خط اسی کی رسید ہے۔

۲ خان صاحب کی ہدایت کے مطابق ہاشمی صاحب نے ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کے اولین اڈیشن، بعض مطبوعہ نسخے اور بیاضِ اقبال کی نقلیں فراہم کر کے خاں صاحب کو بھجوا دیں، ساتھ اس کام کے طریقِ کار سے متعلق چند استفسارات بھی کیے، زیرِ نظر خط میں خاں صاحب نے اس منصوبے کے عملی طریقِ کار کی وضاحت کی ہے___ مگر افسوس کہ اس اثنا میں خاں صاحب کی صحت بگڑتی گئی۔ چند ماہ بعد ۲۶ رفروری ۲۰۰۶ء کو وہ راہیِ ملکِ بقا ہوئے اس طرح ان کا یہ آخری علمی و تدوینی منصوبہ بہ روئے کار نہ آسکا۔



हवाई पत्र
Aerogramme

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
منصورہ،

Dr. Rafeeuddeen Hashemi
28—D, Mansoora,
LAHORE—54570

(इस लाइन के नीचे न तो लिखें और न ही मुद्रित करें) Do not write or print below this line)

(Pakistan)

दूसरा मोड़ SECOND FOLD

प्रेषक का नाम और पता :-
Sender's Name and Address :-
رشید حسن خاں
Baroozai—II,
Shahjahanpur
(U.P.)
(India)

इस पत्र के अन्दर कुछ न रखें
No Enclosures Allowed

पहला मोड़ FIRST FOLD

جب آپ دیکھ لیں گے اور مطمئن ہوں گے، تب اُسی حصے کو مکمل مانا جائے گا۔ اسی طرح بانگِ درا، بالِ جبریل
اور ضربِ کلیم کی ترتیب و تصحیح ہوگی۔ ارمغانِ حجاز مختصر ہے یہاں ہم دونوں کو عملی صورتِ حال
شروع ہی میں بخوبی اندازہ ہو جائے گا اور پھر اُسی کو مثال بنا کر دوسرے حصے مکمل کیے جائیں گے۔
ارمغانِ حجاز اشاعت ۱۹۳۶ء کے عکس اور اُس کے متن سے متعلق کاغذات
کا منتظر رہوں گا تاکہ جلد از جلد کام شروع کر سکوں۔ جب متن مکمل کر لوں گا تو کمپوزنگ کے لیے بھیجنے سے پہلے
آپ سے مشورہ کروں گا اور آپ کی منظوری اور اطمینان کے بعد یہاں کمپوزنگ شروع ہوگی۔

[illegible] ۱۰/۱ء

ان کا [illegible] آپ نے [illegible] اقبال (اقبال اکیڈمی) کا حوالہ دیا ہے۔ [illegible]
[illegible] حصۂ اردو [illegible]
[illegible]

رشید حسن خاں

انجمن ترقی اُردو (ہند)

अन्जुमन तरक़्क़ी उर्दु (हिन्द) ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)

۱۲؍اگست ۲۰۰۵ء

ہاشمی صاحب۔السلام علیکم!

بہت عرصے بعد آپ کو خط لکھ رہا ہوں وہ بھی ایک ذاتی غرض سے۔غرض یہ ہے کہ کچھ دن ہوئے آپ کی تازہ کتاب 'اقبالیات: تفہیم و تجزیہ' نظر سے گزری۔اس کتاب پر مبارک باد قبول فرمایئے۔یہ کتاب اقبالیات میں ایک اہم اضافہ ہے۔یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس کتاب میں رشید حسن خاں صاحب کا مقالہ 'کلامِ اقبال کی تدوین' شامل کیا ہے۔اس مقالے کے بارے میں آپ نے جو رائے دی ہے، اس سے جی خوش ہو گیا۔مجھے اچانک خیال آیا کہ اگر رشید حسن خاں صاحب 'کلیاتِ اقبال' مرتب کر دیں تو بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔میں نے انھیں فوراً ٹیلی فون کیا، انھیں میری تجویز پسند آئی لیکن اُنھوں نے یہ تجویز اس شرط پر منظور کی کہ کلیات رفیع الدین ہاشمی صاحب اور وہ مل کر مرتب کریں گے۔خاں صاحب کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی، اس لیے میں اب آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔۔

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ابھی تک کلیاتِ اقبال کا کوئی ایسا نسخہ شائع نہیں ہوا جس پر پوری طرح اعتماد کیا جا سکے۔اگر آپ اور خاں صاحب مل کر اسے مرتب کریں تو یقیناً اقبالیات کی یہ کمی پوری ہو جائے گی۔خاں صاحب نے کہا ہے کہ میں آپ سے درخواست کروں کہ اگر آپ کو یہ تجویز منظور ہو تو کلیات کی ترتیب کا ایک خاکہ مرتب کر کے اور اس کے طریقۂ کار پر ایک نوٹ لکھ کر خاں صاحب کو بھیج دیں۔ترتیب کی حد تک ذمے داری آپ دونوں کی ہے اور اس کلیات کو بہت خوب صورت شائع کرنا انجمن ترقی اردو کا کام ہوگا۔میرا خیال ہے کہ آپ میری درخواست ضرور قبول فرمائیں گے۔خاں صاحب کا پتا یقیناً آپ کے پاس ہوگا پھر بھی لکھ رہا ہوں تاکہ پتا ڈھونڈنے میں آپ کو وقت ضائع نہ کرنا پڑے۔

Rasheed Hasan Khan Saheb
22-Barooza IInd
Shahjahanpur-242001

خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔

نیازکیش

(خلیق انجم)

Dr.Rafiuddin Hashmi
28-D, Mansoora
Multan Road
Lahore(Pakistan)

URDU GHAR : Urdu Ghar Marg, 212, Rouse Avenue, New Delhi-2. Ph : 23237210, 23236299 Fax : 23239547 E-mail : urduadabndli@bol.net.in
http\\www.anjuman-taraqqi-urdu-hind.com

[خط: ۴۸]

شاہ جہاں پور
۲۶ر اکتوبر ۲۰۰۵ء

مُحِبِّ مکرّم!

کل آپ کا بھیجا ہوا پیکٹ ملا جس میں ضربِ کلیم اشاعتِ اوّل کا ایک نسخہ تھا اور چند مطبوعہ خط، اِس اہتمام اور زحمت فرمائی کے لیے شکر گزار ہوں۔ آج یہاں ۲۱واں روزہ ہے، میری طرف سے عید کی پیشگی مبارک باد قبول فرمایئے؛ جب تک یہ خط آپ کے پاس پہنچے گا، عید بھی بس آہی چکی ہوگی انشاءاللہ [کذا]!

صحت آپ کی کیسی ہے آج کل؟ توقع کرتا ہوں کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوگا۔ خیال میرا یہ ہے کہ آپ پرہیز بہت کرتے ہیں (یہاں ''پرہیز'' کثیر الجہت لفظ کے طور پر آیا ہے) اور یہی آدھی پریشانیوں کا اصلی سبب ہے۔ احتیاط میں بھی کرتا ہوں لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دیتا ہوں؛ مگر آپ میری بات کیوں ماننے لگے! خیر، آپ اچھے رہیں بس یہی میری تمنا ہے۔

اب میری درخواست یہ ہے کہ بعدِ عید آپ ارمغانِ حجاز کے حواشی لکھنا شروع کر دیجیے، میں بھی عید کے تیسرے دن سے باضابطہ آغازِ کار کروں گا۔ حواشی مختصر ہوں اور ضروری ہو [ہوں] اور بس۔ اشعار میں جو تلمیحات آئی ہیں اور نام آئے ہیں یا مصرعے اور شعر منقول ہیں، اُن کی تخریج میں کرلوں گا اور پھر آپ کے پاس بھیج دوں گا۔

ایک فی الوقت غیر متعلق بات: ضربِ کلیم اشاعتِ اوّل میں سنہِ اشاعت موجود نہیں۔ آپ نے اپنی کتاب تصانیفِ اقبال میں ص ۳۵ پر اشاعتِ اوّل کے سنہ کے لیے حاشیے پر دو حوالے دیے ہیں؛ میری رائے میں اب جب اِس کے حواشی لکھیں تو متعلقہ مقامات کی عبارتوں کو ضرور نقل کر دیجیے گا، کیوں کہ اقبال نامہ اور خطوطِ اقبال سب کے پاس تو ہوں گی نہیں، [اوروں کو کیا کہوں، میرے ہی پاس نہیں]۔ یہ ضمنی بات ہوئی۔

جب آپ ارمغانِ حجاز (حصّہٗ اُردو) کے حواشی لکھ لیں تو اُن کی نقل میرے پاس بھیج دیجیے گا۔ تو اب یہ طے ہو گیا کہ عید کے تیسرے چوتھے دن سے کام شروع ہو جائے گا، یہاں بھی اور وہاں بھی۔ [۱] **وَما تَوفیقی اِلّا بِاللّٰہ !**

پُرسانِ حال کو (بالفرض اگر کوئی ہو) واجبات۔

رشید حسن خاں

---

[۱] عید الفطر ۸، ۹ روز بعد آنے والی تھی۔ گویا خاں صاحب نے نومبر کے اوائل میں آغازِ کار کا عزم کیا تھا۔

☆☆☆

[خط:۴۹]

شاہ جہاں پور
۶ر دسمبر ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

مکتوب مرقومہ ۲۴ر نومبر موصول ہوا، شکریہ۔

بھائی! ہم آپ دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ سردی کا موسم مجھے راس نہیں آتا، یہ پُرانی بات ہے۔ اب پچھلے مہینے کے اواخر سے احوال یہ ہے کہ سر جھکا کر ذرا دیر بھی نہیں بیٹھ سکتا، ریزش، چھینکیں اور آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے۔ لکھنا پڑھنا سب بند ہے۔ آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں، اِدھر بھی وہی احوال ہے جو اُدھر ہے۔ اب تو مہینا ڈیڑھ مہینا تعطّل کی نذر ہو ہی جائے گا اور میرا خیال ہے کہ تب تک آپ بھی صحت [یاب،] ہو جائیں گے۔ ۱ انشاءاللہ [کذا]

اقبال والا کام، دوسرے کاموں کے ساتھ رُکا ہوا ہے۔ یوں آپ ذرا بھی فکر نہ کریں۔ موسم سنبھل جائے گا تو کُچھ ہو سکے گا، فی الحال آرام۔ آپ ۶۵ برس کے ہیں، ۲ دسمبر میں میں نے اسّی برس پورے کر لیے، اب جتنا بھی کام ہو سکے غنیمت ہے۔ زیادہ کی توقع اب کرنا ہی نہیں چاہیے؛ بس ارادہ مضبوط رہنا چاہیے اور وہ ہے میرا بھی اور آپ کا بھی۔ پریشان ہونے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ہاں، میں نے غرائب اللّغات والا کام مستقلاً ملتوی کر دیا ہے۔ اِس پر پھر گفتگو ہوگی۔

خدا کرے اب آپ پہلے سے بہتر ہوں اور جلد تر مکمّل طور پر ہشاش بشاش ہو جائیں!

رشید حسن خاں

---

۱ ہاشمی صاحب اپنی علالت کے سبب، حسبِ پروگرام کام شروع نہ کر سکے تو ۲۳ر نومبر کو خاں صاحب کو اپنی بیماری کا احوال اور معذرت کا خط لکھا۔

۲ سرکاری کاغذات اور اسناد میں تو ہاشمی صاحب کی تاریخ پیدائش یکم اپریل ۱۹۴۲ء درج ہے مگر اصل تاریخ پیدائش ۹ر فروری ۱۹۴۰ء ہے۔ اس اعتبار سے فروری ۲۰۰۵ء میں ان کی عمر [illegible]

[خط:۵۰]

شاہ جہاں پور
۲رفروری ۲۰۰۶ء

پیرومرشد!

آپ سے شرمندہ ہوں کہ خط کا جواب بروقت نہیں لکھ سکا، ۱ وجہ وہی صحت کا تولہ ماشہ ہونا۔ بہ ہر طور اِس تاخیر کے لیے معذرت طلب ہوں۔ اِس خط کو دیکھ لیجیے، ترمیم و تنسیخ کا حق سو فی صدی آپ کو دیا جاتا ہے، اِس حق کو آپ بلا تکلّف استعمال کر سکتے ہیں۔

آپ کا پیکٹ ملا تھا، پھر ایک لفافہ پرسوں ملا۔ شکر گزار ہوں۔ غالب والا کام بس ہو ہی رہا ہے، معلوم نہیں کب کمپوزنگ مکمل ہوگی، زلفِ یار والی بات ہو کر رہ گئی ہے، جس کی نہ طوالت کم ہوتی ہے نہ پیچ وخم کم ہوتے ہیں۔ آپ دُعا تو کرتے نہیں، کام بنے تو کیسے۔

ہاں صاحب! آپ بہ طورِ خود دیکھ لیجیے گا اِس خط کی تصحیح کو۔ ۲ کاتب صاحب زیادہ ناروا سلوک روا نہ رکھنے پائیں ورنہ ۔۔۔۔ گناہ لازم والی بات ہو جائے گی۔

ارے صاحب! آپ کی فرمایش پر میں نے اپنے پچھلے چھے مضمون بھیجے تھے آپ کو، یہ پُرانی بات ہوگئی۔ اُس کی رسید کبھی نہیں ملی۔ کیا وہ پیکٹ آپ تک نہیں پہنچا تھا؟ اُن سب مضامین کو (اور ایسے کُچھ اور مضامین کو) میں مرحوم فرض کر چکا ہوں، ''ایّامِ جاہلیت'' کی یادگاریں ہیں، معلوم نہیں آپ اُن فضولیات کا کریں گے کیا۔ میں تو آپ کے پاس بھیج کر خوش ہوں کہ میرے بستے کا فالتو بوجھ کم ہوا۔ ۳

توقع کرتا ہوں کہ اب آپ پوری طرح بہ عافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

---

۱ ہاشمی صاحب نے یہ خط ۳۱ر دسمبر ۲۰۰۵ء کو خاں صاحب کو ایک خط لکھا تھا، خیال ہے کہ بہ سببِ علالت خاں

شاہجہاں پور
یکم فروری ۲۰۰۵ء

پیرو مرشد!

آپ سے شرمندہ ہوں کہ خط کا جواب اس وقت لکھ رہا ہوں، وجہ وہی صحت کا ناسازی ہونا۔ بہرطور اپنی تاخیر کیلئے معذرت طلب ہوں۔ اس خط کو دیکھ لیجیے، ترمیم و تنسیخ کا حق سو فی صدی آپ کو دیا جاتا ہے، اس حق کو آپ بلا تکلف استعمال کر سکتے ہیں۔

آپ کا پیکٹ ملا تھا، پھر ایک لفافہ پر سو ملا۔ شکر گزار ہوں۔ تذکرۂ دہلی کا کام بس ہو ہی رہا ہے، معلوم نہیں کب تک یہ رنگ منتقل ہو گا۔ زلفِ یار والی بات، مگر رکاوٹ یہ ہے کہ اس کی طوالت کم ہو رہی ہے نہ بیچ و خم کم ہوتے ہیں۔ آپ دعا تو کرتے ہیں، کام بنے تو کیسے۔

ہاں صاحب! آپ بطور خود دیکھ لیجیے کہ اس خط کی تصحیح کر کے اب صاحب زیادہ ناروا سلوک روا نہ رکھنا پائیں ورنہ ..... گناہ لازم والی بات ہو جائے گی۔
یہ پرانی بات ہو گئی۔

ارے صاحب! آپ کا خط ملا تھا، میں نے اپنے پچھلے خط میں مضمون بھیجے تھے آپ کو، اس کی رسید کبھی نہیں ملی۔ کیا وہ پیکٹ آپ تک نہیں پہنچا تھا؟ ان سب مضامین کو (اور ایسے کچھ اور مضامین کو) میں مرحوم فرض کر چکا ہوں، ان کا یا جاہلیت کی یادگار رہیں۔ معلوم نہیں آپ ان خرافات کا کیا کریں گے۔ میں تو آپ کے پاس بھیج کر خوش ہوں کہ میرے سر کا فالتو بوجھ کم ہوا۔
توقع کرتا ہوں کہ آپ بچوں کے ساتھ بعافیت ہوں گے۔

رشید حسن خاں

موصول ۱۰/۴/۰۵ ساڑھے آٹھ بجے ۲۲/۲/۰۶ شب ۲/۱۰ منٹ پر

صاحب بروقت جواب نہ دے سکے۔

۲۔ یہ خط مدیر ترجمان القرآن لاہور کے نام ہے اور "ذ" کی بحث سے متعلق ہے۔ اسے زیرِ نظر کتاب کے ضمیمے میں شامل کیا گیا ہے۔

۳۔ خاں صاحب کے ارسال کردہ پانچ چھے مضامین کے علاوہ ہاشمی صاحب نے ان کے مزید ۸، ۱۰ مضامین جمع کیے اور، جیسا کہ ذکر آچکا ہے، انھیں مرتب کرنے کا فریضہ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر کو سونپا تھا۔ یہ مجموعہ جلد شائع ہونے کی امید ہے۔

☆☆☆

ضمیمے

(۱)

مکاتیب رشید حسن خاں

الف: عبدالوہاب خاں سلیم کے نام
ب: ڈاکٹر تحسین فراقی کے نام
ج: مشفق خواجہ کے نام
د: مدیر ترجمان القرآن کے نام

(۲)

عکس تحریر: رشید حسن خاں

○ کچھ اپنے بارے میں [خودنوشت]

ضمیمہ:۱

بہ نام

عبدالوہاب خاں سلیم

[پ:۶رفروری ۱۹۳۹ء]

عبدالوہاب خاں سلیم کا ذکر خط ۴۰ کے حاشیہ نمبر ایک میں آچکا ہے۔ وہ رشید حسن خاں کے مدّاح اور نیاز مند ہیں۔ آخری زمانے میں غالباً مشفق خواجہ مرحوم کے توسط سے ان کا رابطہ خاں صاحب سے ہوا جو مختصر عرصے میں ایک پُرخلوص اور گہرے تعلق میں تبدیل ہوگیا۔ اس قریبی تعلق کا اندازہ ذیل کے خطوط سے کیا جاسکتا ہے۔

[۱]

شاہ جہاں پور

۲۷رستمبر ۲۰۰۴ء

مُحبّ مکرّم!

دنوں سے آپ کی آواز سُننے کو نہیں ملی، تشویش ہے۔ ازراہِ لطف خیر و عافیت سے مطلع فرمائیے۔ خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ خیریت ہوں۔ میں نے فرض کرلیا ہے کہ آپ عمرہ کرنے چلے گئے ہوں گے اور وہاں میرے لیے دُعا کررہے ہوں گے۔ یہی بات ہے نا! آپ کی آواز سُننے کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

[۲]

شاہ جہاں پور

۱۴رجنوری ۲۰۰۵ء

آپ کا بھیجا ہوا لفافہ علی گڑھ سے ہوتا ہوا یہاں آگیا، یہ پرسوں کی بات ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر بہت تشویش ہوئی۔ میں نے کل (جُمعے کے دن) آپ کو فون کیا۔ آپ کے خط میں دو

فون نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ پہلے نمبر پر جواب ملا کہ مکان بدل گیا ہے۔ دوسرے نمبر پر جو کہا گیا اُس سے میں بس اِتنا ہی سمجھ پایا کہ آپ گھر پر موجود نہیں۔ میری اُلجھن اور بڑھ گئی۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ آپ اِس وقت کہاں ہیں۔ میں فون کرنا چاہتا ہوں، مگر یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کو میں کس نمبر پر فون کروں، جہاں آپ موجود ہوں، از راہِ لطف کسی سے مجھے فون کرا دیجیے تا کہ میں صورتِ حال سے واقف ہو کر، اپنی تسکین کے لیے آپ کو فون کر سکوں اور آپ کی خیریت معلوم کر سکوں۔ منتظر ہوں۔ یہ بہت ضروری ہے۔

دعا گو اور منتظر

رشید حسن خاں

[۳]

شاہ جہاں پور

۶ رمئی ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم! سلامِ شوق۔

آپ کا محبت نامہ مرقومہ ۲۷ راپریل نظر نواز ہوا۔ بہت ممنون ہوں کہ آپ نے دیارِ پاک میں بھی اپنے اِس نیاز مند کو یاد رکھا۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ کی دعا کے طفیل میری صحت یابی کی رفتار مزید تیز ہو جائے گی۔ جزاک اللہ خیرا۔

ہاشمی صاحب کا لاہور سے خط آیا تھا، مشفق خواجہ مرحوم کے خط منگائے تھے۔ میرے پاس مرحوم کے بہت خط تھے، طویل خط، وہ میں نے یہاں انجمن کو دے دیے تھے کہ محفوظ ہو جائیں۔ بہت تلاش کرنے پر ایک خط ملا، پرسوں وہی بھیج دیا ہے، اِس تاکید کے ساتھ کہ اُس کی عکسی نقل وہ رکھ لیں اور اصل خط آپ کے نام امریکہ بھیج دیں۔ اُس میں (دیگر کئی خطوں کی طرح) آپ کا نام دو جگہ آیا ہے۔ میرا جی چاہا کہ یہ اصل خط آپ کے پاس محفوظ ہو جائے۔

مرحوم کی یاد بہت آتی ہے، بہت۔ اب ایسا کوئی دوسرا نہیں ---- ہاں، ہاشمی صاحب نے کچھ مطبوعہ مضامینِ تعزیت بھی بھیجے، اُن میں ایک تحریر ڈاکٹر معین الرّحمان کی بھی ہے[۱]۔ خان صاحب! میں نے ایسی غیر مناسب اور نامعقول تعزیتی تحریر آج تک نہیں دیکھی تھی، دل دُکھ

گیا۔ افسوس!!

ہاں، علی گڑھ سے لفافہ میرے پاس بہ حفاظت آ گیا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے سپاس گزار ہوں۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ آپ کی یہ غمگساری[کذا] میرے لیے کیسا آبِ حیات بن گئی فوری طور پر ـــــ

تم سلامت رہو ہزار برس　　　ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

میں نے علی گڑھ دوبار فون کیا، رابطہ قائم نہ ہو سکا، معلوم نہیں فون خراب ہے یا وہ لوگ تھے نہیں۔

بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

رشید حسن خاں

---

۱ اس کا ذکر خط ۴۴ کے حاشیہ نمبر ۲ میں آ چکا ہے۔

[۴]

شاہ جہاں پور
۲۲ راگست ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

چند روز پہلے سلمان خلیل صاحب کا بھیجا ہوا لفافہ موصول ہوا۔ میں ادھر بارہ ۱۴ دن سے بستر سے لگا رہا، یوں اُن کو رسید بھی نہیں بھیج سکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ کل سے طبیعت روبراہ[کذا] ہوئی ہے تو سب سے پہلے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

میں بارہا سوچتا ہوں کہ اگر آپ کا بے ریا خلوص اور غمگساری[کذا] میرے شاملِ حال مسلسل نہ رہتی تو کیا صورتِ حال پیدا ہو جاتی! آپ کی صحت و عافیت کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ خدا کرے ذیابیطس کی شکایت اب پریشان کُن نہ ہو۔ میں اِدھر بے خوابی کی شکایت سے بے طرح متاثر ہوا ہوں۔ ساری ساری رات گزر جاتی ہے اور ایک لمحے کے لیے نیند نہیں آتی۔ خیر، یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے۔

ایک بات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ کلّیاتِ اقبال پر میرا مفصل تبصرہ شائع ہوا تھا جس میں میں نے لکھا تھا کہ اقبال کو سب کچھ ماننے کے باوجود آج کے دن تک اُن کے اُردو فارسی کلّیات کا کوئی اڈیشن اصولِ تحقیق و تدوین۔ کے مطابق مرتّب نہیں

کیا جا سکا۔ نمایشی کام تو بہت کرلیا گیا لیکن خالص علمی سطح پر متن کی ترتیب نہیں کی جا سکی، کیوں کہ اِس کے لیے جس قدر محنت کی ضرورت ہے، اُس کے لیے کسی کے پاس یا تو صلاحیت نہیں یا وقت نہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے میرے اِس مضمون کی مکمّل تائید میں ایک مضمون لکھا تھا تو[کذا] شائع ہوا تھا۔ اب اُن کی جونئی کتاب اقبالیات: تفہیم و تجزیہ شائع ہوئی ہے، اُس میں اُنھوں نے میرے اُس تبصرے کو بھی شامل کرلیا ہے اور اپنے اُس تائیدی مضمون کو بھی۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اب پاکستان میں یہ بہت مشکل اور بہت صبر آزما کام نہیں ہو پائے گا۔ انجمنِ ترقی اُردو (ہند) نے ایک تجویز میرے پاس بھیجی ہے کہ میں کلّیاتِ اقبال اُردو کو اصولِ تحقیق کے مطابق مرتّب کروں۔ اِسے انجمن اپنے طور پر چھاپے گی۔ مجھے یہ تجویز پسند آئی اور اپنی ساری خرابیِ صحت کے باوجود میں نے اِسے منظور کرلیا، لیکن اس ترمیم کے ساتھ [کہ اقبال میوزیم، لاہور میں] اقبال کے جو کاغذات ہیں جن میں اُنھوں نے اشعار میں اصلاح وتبدیلی کی ہے، اُن سے استفادے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے لیے عملی صورت یہ ہے کہ ترتیبِ کلّیات کے اِس کام کو میں اور ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی، دونوں مل کر کریں۔ سرِ ورق پر مرتّب کے طور پر دونوں کا نام ہو، اِس طرح یہ کام آسانی سے ہو جائے گا اور بہتر طور پر ہو سکے گا۔

انجمن نے میری اِس تجویز کو منظور کرلیا اور ہاشمی صاحب کو خط لکھا ہے۔ اگر یہ کام ہو گیا تو خان صاحب! یہ اپنے انداز کا منفرد کام اور یادگار کام ہوگا اور دونوں ملکوں کی طرف سے ایک طرح سے خراجِ عقیدت ہوگا۔ یہ بجائے[کذا] خود ایک نئی علمی مثال ہوگی علمی تعاون کی۔ مگر آپ کی دُعاؤں کے بغیر یہ کام نہیں ہو پائے گا۔ میری درخواست ہے کہ آپ بہ طورِ خاص کئی بار دُعا کیجیے کہ مجھے اِس کام کی تکمیل کی توفیق عطا ہو۔ آپ کی دُعا ضرور قبول ہوگی۔ یہ میری زندگی کا آخری بڑا یادگار کام ہوگا۔ اِس کا اعتراف مقدّمۂ کتاب میں واضح لفظوں میں کیا جائے گا کہ اگر عبدالوہاب خاں سلیم کی دُعائیں شاملِ حال نہ ہوتیں اور اُن کی مسلسل غمگساری[کذا]، اُن کا اصرار، اُن کی ہمّت افزائی میری معاونت نہ کرتی تو یہ کام نہیں ہو سکتا تھا — اب یہ فرمایئے کہ یہ تجویز آپ کو پسند آئی؟ غالب والے کام کی کمپوزنگ ہو رہی ہے اور تصحیح بنا تا جاتا ہوں، غالباً سال بھر میں وہ مکمل ہو جائے گا اور کتاب پریس چلی جائے گی۔ کلّیاتِ اقبال والا کام ہاشمی کا خط آتے ہی شروع کرنے کا مصمّم ارادہ ہے۔ آپ نے متعدد حج کیے ہیں، عُمرے کیے ہیں، شب بیداری اور خدا کی یاد اور عبادت آپ کی طبیعت کا جُز ہے؛ اِس لیے یقین ہے مجھے کہ جب آپ اِس

نئے کام کی تکمیل کے لیے دُعا کریں گے تو وہ ضرور قبول ہو گی ___ میرا فون کچھ دنوں تک خراب رہا، اب پرسوں ٹھیک ہوا ہے۔ آپ کی ہمّت بڑھانے والی آواز دنوں سے نہیں سُنی، ممنون ہوں گا اگر آپ فون کر لیں گے۔ یہ فرمائش میں کسی اور سے نہیں کر سکتا، اور کرتا بھی نہیں۔ بہ قولِ غالب:
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے۔

رشید حسن خاں

[۵]

شاہ جہاں پور

۲۸ راگست ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

آپ کا خط مرقومہ ۱۴ راگست مجھے ۲۶ راگست کو ملا، شکریہ۔

میں اِس سے پہلے ۲۲ راگست کو ایک خط آپ کے نام بھیج چکا ہوں۔ توقّع کرتا ہوں کہ اب تک وہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ سلمان خلیل صاحب کے خط کی رسید بھیج دی گئی۔

میں نے اُس خط میں کلّیاتِ اقبال سے متعلق ضروری تفصیلات لکھ دی ہیں۔ اِس وقت صرف یہ کہنا ہے کہ دو چار دن میں جب بھی آپ ہاشمی صاحب کو فون کریں، یہ تاکیداً کہہ دیں کہ انجمن کو اور مجھے اُن کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ ہاشمی صاحب بہت عمدہ آدمی ہیں، مگر خط لکھنے میں بہت کاہل ہیں، کیا کیا جائے! اُن کا خط آجائے تو میں کلّیاتِ اقبال کے تحقیقی اڈیشن کا خاکہ بنا کر اُن کے پاس بھیجوں۔ چاہتا یہ ہوں کہ یہ کام جلد ہی شروع ہو جائے۔

جلدی خاص کر یوں ہے کہ بے خوابی کے مرض نے سارا ذہنی نظام ہلا کر رکھ دیا ہے۔ راتیں گزر جاتی ہیں اور پلک نہیں لگتی۔ خیر، یہ سب تو یوں ہی رہے گا۔ میں اقبال والے کام کو مثالی کام کے طور پر مکمّل کرنا چاہتا ہوں۔ اِس میں دو سال تو لگ ہی جائیں گے۔

آپ کی عافیت اور صحت کا احوال پڑھ کر بہت اطمینان ہوا۔ آپ کے لیے ہر وقت دُعا کرتا ہوں۔ آپ جیسا دوسرا مخلص اور غمگسار [کذا] مجھے کہاں ملے گا! ہاں۔ اب تو فون کر لیجیے، میرا فون بالکل ٹھیک ہے۔

رشید حسن خاں

شاہ جہاں پور

۲۸؍ اگست ۱۹۸۵ء

محبِ مکرم!

آپ کا خط مرقومہ ۱۲؍ اگست مجھے ۲۶؍ اگست کو ملا، شکریہ۔

میں اِس سے پہلے ۲۲؍ اگست کو ایک خط آپ کے نام بھیج چکا ہوں۔ توقع کرتا ہوں کہ اب تک وہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ سلمان خلیل صاحب کے خط کی رسید بھیج دی گئی۔

میں نے اُس خط میں کلیاتِ اقبال سے متعلق ضروری تفصیلات لکھ دی ہیں۔

اِس وقت صرف یہ کہنا ہے کہ دو چار دن میں جب تک آپ ہاشمی صاحب کو فون کر دیں، یہ تاکید اً کہہ دیں کہ انجمن کو اور مجھے اُن کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ ہاشمی صاحب بہت عمدہ آدمی ہیں، مگر خط لکھنے میں بہت کاہل ہیں۔ کیا کیا جائے! اُن کا خط آجائے تو میں کلیاتِ اقبال کے تحقیقی ایڈیشن کا خاکہ بنا کر اُن کے پاس بھیجوں۔ چاہتا ہوں کہ یہ کام جلد ہی شروع ہو جائے۔ جلدی اس لیے کہ ہوتا ہے کہ بے خوابی کے مرض نے سارا ذہنی نظام بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ راتیں گزر جاتی ہیں اور پلک نہیں لگتی۔ خیر، یہ سب تو ہوتا ہی رہے گا۔ میں اقبال والے کام کو مثالی کام کے طور پر مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ اِس میں دو سال تو لگ ہی جائیں گے۔

آپ کی عافیت اور صحت کا احوال پڑھ کر بہت اطمینان ہوا۔ آپ کے لیے ہر وقت دعا کرتا ہوں۔ آپ جیسا دوست، مخلص اور غمگسار مجھے کہاں ملے گا! اب تو فون کر لیجیے، میرا فون بالکل ٹھیک ہے۔

رشید حسن خاں

[۶]

شاہ جہاں پور
یکم ستمبر ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

کل شادی کا سادہ و پُرکار دعوت نامہ ملا۔ اِس کی سادگی و پُرکاری دیکھ کر آپ کے حُسنِ ذوق پر ایمان لے آیا۔

میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمایئے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی ہدیۂ تحسین و آفریں اور مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ دُعا کرتا ہوں کہ دولھا دُلھن ہمیشہ شاد کام و بامراد رہیں (آمین)۔ آپ نے اِس پُرمسرّت موقعے پر یاد فرمایا، اِس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ یہ آپ کی وضع داری ہے۔ [۱]

اِس سے پہلے کے میرے دو خط اب تک آپ کو مل چکے ہوں گے۔

خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

---

۱ عبدالوہاب خان سلیم کی بیٹی رفعت سلیم کا عقدِ مسنون ۲۱ راگست ۲۰۰۵ء کو جمال سلیمان سے ہوا تھا۔ پیشے کے اعتبار سے دلھا دلھن دونوں انجینیر ہیں۔

[۷]

شاہ جہاں پور
۸ر ستمبر ۲۰۰۵ء

مُحبِّ مکرّم!

غالب سے متعلق میری کتاب گنجینۂ معنی کا طلسم کے شروع کے حصّے کی کمپوزنگ مکمّل ہو گئی، کل ہی مجھے یہ پیکٹ ملا ہے تصحیحات بنانے کے لیے۔ میں اپنے مقدّمے کے

آخری صفحے کا عکس آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں!۱ یوں کہ پوری کتاب چھپنے میں تو سال ڈیڑھ سال لگ جائے گا۔ آپ کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ فون پر ایک دن آپ کی آواز کئی بار سُنی، مگر ہر بار سلسلہ منقطع ہو گیا، لائن میں کہیں خرابی ہو گی ___ ہاں ہاشمی صاحب سے آج فون پر بات ہو گئی، وہ ضروری کاغذات اقبال میوزیم سے لے کر بھیج دیں گے، اُن کے ملتے ہی کلّیاتِ اقبال کی تدوین کا کام شروع ہو جائے گا۔ اس کے مقدّمے میں بھی آپ کی کتاب دوستی کا اِسی طرح حوالہ دیا جائے گا۔ آپ جیسا مخلص علم دوست کوئی دوسرا مجھے کہاں ملے گا۔

توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے اور وہ تقریب سعید بہ حُسن وخوبی انجام کو پہنچی ہو گی۔ میرا مبارک باد کا خط اب تک مل چکا ہو گا آپ کو۔ ۲

رشید حسن خاں

---

۱ اس خط کے ساتھ کتابت (کمپوز) شدہ مقدمے کے آخری صفحے کا عکس منسلک تھا۔ اس میں آخری دو پیراگراف سے پہلے حسبِ ذیل الفاظ میں مکتوب الیہ کا شکریہ ادا کیا گیا ہے:

میں محبِّ مکرّم الحاج عبدالوہاب خاں سلیم کا خاص طور پر شکر گزار ہوں، جن کے پیہم تقاضوں نے اور اصرار نے کام کی رفتار کو سست نہیں ہونے دیا۔ دراصل اس موضوع پر اس انداز کی کتاب مرتب کرنے کی فرمائش انھی نے کی تھی۔ میں ان کی بات ٹالتا نہیں، یوں ہامی بھر لی تھی۔ عبدالوہاب خاں صاحب میرے مخلص کرم فرما اور غم گسار ہیں۔ یہ ان کے پیہم اصرار کا فیضان ہے کہ درمیان میں کام رُکا نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ خاں صاحب کی کتاب دوستی اور ان کا بے مثال خلوص شاملِ حال نہ رہتا تو میں موجودہ حالات میں اس کام کو شاید نہ کر پاتا۔"——

یہ تحریر ۱۶راپریل ۲۰۰۵ء کی نوشتہ ہے۔

۲ اشارہ ہے مکتوب الیہ کی بیٹی کی شادی کی طرف جس کا ذکر گذشتہ خط میں آیا ہے۔

[۸]

شاہ جہاں پور

۶ردسمبر ۲۰۰۵ء (یومِ احتجاج)

مُحبِّ مکرّم!

توقّع کرتا ہوں کہ اب آپ پہلے کی طرح لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو چکے ہوں گے اور

کسی طرح کی پریشانی نظروں کو نہیں ہوتی ہوگی۔ [۱] [نظر تو آپ کی ہمیشہ سے پاکباز [کذا] رہی ہے، اُسے تو ویسے بھی کچھ نہیں ہونا چاہیے؛ ہم جیسے گنہ گاروں کی بات دوسری ہے۔]

میں ٹھیک ہوں مگر کام معطّل ہے۔ سردیوں کا موسم مجھے راس نہیں آتا۔ سر جھکا کر نہیں بیٹھ پاتا، آنکھوں سے آنسو اور ناک سے ریزش، چھینکیں، بس اِنھی میں اُلجھا رہتا ہوں۔ غالب اور اقبال والا بستہ باندھ کر عارضی طور پر رکھ دیا ہے، مہینا بھر کے بعد قلم اپنا کام شروع کر سکے گا۔ آپ کے ایک لفافے میں داؤد رہبر صاحب کی پُر لطف نظم دیکھی، جی خوش ہوا، اِس کا شکریہ۔

ہاں صاحب! آپ سے ملاقات کا تو امکان ہے نہیں، یوں غالب کے لفظوں میں جنّتِ نگاہ تو ملنے سے رہی؛ مگر فون کے واسطے سے فردوسِ گوش کا لطف حاصل ہو جایا کرتا تھا؛ اب کئی ہفتے سے وہ بھی حاصل نہیں، خیر باشد! آنکھیں آپ کی تحریر کی مشتاق ہیں اور کان آپ کی آواز کے منتظر۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

رشید حسن خاں

[پس نوشت]

ایک ضروری بات رہی جاتی تھی: ہاشمی صاحب کا خط آیا تھا، بیمار ہیں میری طرح، مجھ سے اُنھوں نے مرحوم خواجہ صاحب کے خطوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے اُن کو خط لکھا، مگر یہ لکھنا بھول گیا کہ میرے پاس مرحوم کا اب کوئی خط نہیں۔ بہت خط تھے اور مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے انجمن کو دے دیے تھے۔ خیر، انجمن کے ہفتہ وار ہماری زبان کا مشفق خواجہ نمبر نکلا تھا پچھلے مہینے، اُس میں اُن لوگوں نے مرحوم کے میرے نام کے بھی دو خط چھاپے ہیں؛ اگر وہ چاہیں تو اُن دونوں خطوں کو وہاں سے لے سکتے ہیں۔

---

[۱] ۱۲ر ستمبر ۲۰۰۵ء کو مکتوب الیہ کے موتیا بند (Cataract) کا آپریشن ہوا تھا، اس طرف اشارہ ہے۔

[۹]

شاہ جہاں پور

۱۲ر جنوری ۲۰۰۶ء

مُحبِّ مکرّم! سلامِ شوق۔

رجسٹرڈ لفافہ مل گیا۔ ممنون ہوں اور شکر گزار۔ سعدی نے کہا ہے:

آفاقہا گردیدہ ام ، مہرِ بُتاں ورزیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام ، لیکن تو چیزے دیگری

یہ شعر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے اور آپ کو پیشِ نظر رکھ کر کہا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندستان کے بیش تر علاقوں کو دیکھا ہے اور بار بار دیکھا ہے، لیکن آپ جیسا علم دوست، کتاب دوست اور غمگسار [کذا] نہیں دیکھا۔ کسی تمنا اور کسی طرح کے لگاو کے بغیر جو سلوک آپ روا رکھتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ بے مثال ہے۔

خرابیِ صحت کا احوال پڑھ کر بہت تشویش ہوئی۔ دُعا کرتا ہوں کہ خداے پاک جلد تر صحتِ کامل عطا کرے۔ آپ نے میرا حال پوچھا ہے تو جناب! جب تک آپ جیسا مخلصِ بے ریا اور مُحبِ صادق موجود ہے، میرا احوال اچھا ہی رہے گا۔

آپ کا خط جو ایک اعتبار سے بشارت نامہ ہے، مجھے ۹۔ جنوری کو مل گیا تھا۔ خداے تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

رشید حسن خاں

[پس نوشت]

ہاں! زندہ رود مجھے مل گئی۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ کرم نہ فرماتے تو میں اس کتاب سے محروم رہتا۔ یہ واقعتاً پڑھنے کی چیز ہے۔ کیسی کیسی بحثیں اِس میں آ گئی ہیں!! ایک بار پھر شکریہ۔

☆

ABDUL WAHAB KHAN SALIM
2245 61 Street
Brooklyn, New York 11204
U.S.A.

Res: (718) 236-5130
(718) 438-0270

Date: ۲۱ فروری ۲۰۰۶

جناب رشید حسن خان صاحب

سلامِ شوق

برادرِ عزیز

آج ۲۱ فروری ہے، آج ایک سال ہو گیا ہے
ہمارے عزیز دوست مشفق خواجہ اپنے خالق کے
پاس چلے گئے۔
مرحوم آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور
اس خاکسار کو بھی عزیز خاص سمجھتے تھے۔
وہ چلے گئے، میں یتیم ہو گیا۔
الرشاد ان کی وفات سے اعلیٰ تنقید کا ایک عہد ختم ہو گیا

۲۱ فروری کو آپ سے فون پر ملاقات
۷ بجے شام فون کرتا رہا، رابطہ نہ ہو سکا۔
پھر کسی دن دوبارہ فون کروں گا!

مخلص
عبدالوہاب

بہ نام

ڈاکٹر تحسین فراقی

[پ: ۱۰ ستمبر ۱۹۵۰ء]

[۱]

[۲۴ جولائی ۱۹۹۴ء]

عزیزِ مکرّم فراقی صاحب!

سلام مسنون۔ مضمون ملا۔ پڑھ کر جی خوش ہو گیا اور آپ کے لیے دل سے بے ساختہ دُعائیں نکلیں [۱]۔ بہت گناہ گار ہوں، اس لیے میں کیا اور میری دُعائیں کیا؟ البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے، اور خدا کی رحمت سے نا اُمید بھی نہیں۔ جس ذاتِ پاک سے حرام زادگانِ ادب بھی بے تحاشا فیض پا رہے ہوں، اُس سے اگر میں بھی اُمید باندھ لوں تو بے جا تو نہ ہوگا۔ آپ نے فاروقی صاحب کی بابت پوچھا ہے اگر آپ کی مراد اطہر فاروقی صاحب سے ہے، تو یہ جرنلسٹ ہیں اور جواہر لال نہرو یونی ورسٹی میں ہیں۔ مکتبۂ جامعہ کے جنرل منیجر شاہد علی خاں نے اِن کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ مجھ سے متعلق ایک خاص نمبر مرتّب کر دیں۔ شاید اُنھی سے آپ کی مراد ہو۔ یہ پڑھ کر مسرّت ہوئی کہ تفہیم پر آپ کچھ لکھیں گے۔ اگر جلد لکھ سکیں تو [کذا] اور اُس کی ایک نقل مجھے بھیج دیں تو ممنون ہوں گا۔ آپ کی تحریر بھی شامل ہو جائے گی [۲]۔ میں نے گلزارِ نسیم کو مکمل کر لیا ہے۔ ۸۵ صفحے کی مثنوی ہے، مگر حواشی و متعلقات کے ساتھ ۶۵۰ صفحے میں سما پائے گی۔ کتابت ہو رہی ہے۔ آپ کے پاس ضرور پہنچے گی۔

اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیے۔ آپ نے یاد رکھا اور یاد کیا، اس سے مجھے بہت مسرّت ہوئی اور حالی کا مصرع زبان پر آ گیا: ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں، یعنی یاد کرنے والے۔ ورنہ یہاں تو مجھ پر تبرّا بھیجنے والوں کی اکثریت ہے۔

رشید حسن خاں

---

[۱] یہ ذکر ہے اس مضمون کا جس میں فراقی صاحب نے مظفر حسین برنی کی کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد سوم پر محاکمہ کیا تھا۔ دیکھیے خط ۱۱ کا حاشیہ ۲۔

[۲] غالباً فراقی صاحب، رشید حسن خاں کے مجموعہ مضامین تفہیم پر کچھ نہ لکھ سکے۔

[۴]

شاہ جہان پور
۱۷ ستمبر ۲۰۰۰ء
۲۲

عزیز مکرم فراقی صاحب!

آپ کا خط مرقومہ ۳۰ راگست ملا تھا۔ بہت جی خوش ہوا کہ آپ نے یاد کیا۔ خدا پاک آپ کو خوش رکھے۔

اگر وہ شعر کلیم کا ہے تو اس کا ذمے دار میرا حافظہ ہے۔ مجھے اس پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ خود ہی بات دوسروں کو سمجھاتا رہتا ہوں، مگر خود ہی غلطی کر گیا۔ شاید بشریت اسی کو کہتے ہیں اور یہ بھی عطیۂ فطرت ہے، اس لیے یہ انسان کے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ میں آپ کا ممنون ہوں اور شکر گزار کہ اس طرف توجہ منعطف کی۔ آیندہ بھی ایسے مقامات کی نشاندہی ضرور کی جائے، یہ میری درخواست ہے۔ یہ تو دراصل بڑے فائدے کی بات ہے کہ آدمی اپنی فروگذاشتوں پر مطلع ہوتا ہے۔ ایک بار پھر شکریہ۔

کلیم کا کلیات میرے پاس نہیں۔ یہاں کوئی ایسی لائبریری بھی نہیں۔ زمانہ ہوا جب پرتو بیضائی نے تہران سے کلیاتِ کلیم شائع کیا تھا۔ میرے پاس ڈاکٹر شریف النسا انصاری (حیدر آباد) کا مرتب کیا ہوا نسخہ ہے، مگر وہ کل کلام پر حاوی نہیں۔ اگر آپ کلیم کی اس غزل کا مطلع و مقطع لکھ کر بھیج سکیں تو خوب ہو اور اس طرح تصحیح بھی بہتر طور پر ہو سکے گی۔ میں نے کلیاتِ اقبال اس سلسلے میں دیکھا نہیں، آپ کی بات مان لی ہے۔ آپ ذرا ایک بار کلیاتِ کلیم پھر دیکھ لیجیے۔ میں اگر دہلی میں ہوتا تو خود ہی دیکھ لیتا۔ پیشگی شکریہ۔

ہاں صاحب! اب ایک ضروری بات: میں نے ہاشمی صاحب کے پاس سحر البیان بھیجی، رسید نہیں ملی۔ اُن کے فرمان کی تعمیل میں مضمون بھیجا، اُس کی رسید نہیں ملی۔ پھر اُسی مضمون میں اضافہ کرنے کے لیے ایک عبارت بھیجی، اُس کی رسید بھی نہیں ملی۔ یہ سب کچھ رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجا گیا تھا۔ اب میں حیران ہوں اور پریشان بھی کہ میری کوئی تحریر وہاں نہیں پہنچی۔ ہاں اگر وہ پریشاں نگاری کتاب میں جگہ پانے کی مستحق نہیں، اور یوں رسید بھیجنے میں تکلف برتا گیا، تو اس میں تکلف کی کیا بات ہے۔ میں نے تو اپنے خط میں خود ہی لکھ دیا کہ تحریر اگر ٹھیک ٹھاک نہ ہو تو اُسے واپس کر دیا جائے: کالائے بد بریشِ خاوند۔ میں ہاشمی صاحب سے کچھ کہہ نہیں سکتا (گناہ گار ہونا

کون پسند کرے گا) آپ ازراہِ لطف مجھے مطلع کر دیجیے کہ بات کیا ہے۔ میں اس زحمت بے جا کے لیے معذرت طلب ہوں؛ مگر اور کس سے کہوں! جواب کی توقع بھی آپ ہی سے ہے۔

اب روے سخن آپ کی طرف ایک اور رُخ سے ہے۔ دیکھیے بھائی! اگر "ایک عورت سے محبت و موانست" والی روایت ماننے والی ہوتی، تو اس سے ملتی جلتی روایت صاحب خوش معرکۂ زیبا کی لکھی ہوئی کیوں نہ قبول کر لی جاتی۔ اصل بات وہی ایک ہے جو دونوں نے اپنے اپنے انداز سے لکھی ہے۔ دونوں حقیقی معنی میں میر حسن کے معاصر نہیں۔ دونوں بہ حیثیت راوی مضبوط و معتبر نہیں، پھر کیسے مان لی جاتی ان کی بات۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ مثنوی، میر حسن نے آصف الدولہ سے توسّل حاصل کرنے کی غرض سے لکھی تھی۔ جو بھی صورت ہو، جب تک "شہادت" نہ ملے، میں ایسی کسی روایت کو قبول نہیں کر سکتا؛ خاص کر ایسے تذکروں کی روایت جن کے مولف خود معاصرانہ حیثیت نہیں رکھتے، معتبر بھی نہیں اور لطفِ سخن کے بھی قائل رہے ہیں۔ میں بہت سے تلخ و تند تجربوں کے بعد قبولِ روایت کے سلسلے میں اس طریق کار کو اختیار کرنے پر مجبور ہوا ہوں۔ ہاں شاہ نامہ بھی یہاں میرے پاس نہیں، بہ ظاہر تو "منش" ہی برمحل معلوم ہوتا ہے۔ اسے میں دیکھوں گا۔ آج کل کلیاتِ جعفر زٹلی بہ لفظہٖ، مرتب کر رہا ہوں مفصل حواشی کے ساتھ۔ ثقہ حضرات تو بہت منہ بنائیں گے۔ مگر اس کا اُن کو جمہوری حق حاصل ہے (اخلاقی نہیں)۔ ٹھگوں والا کام مکمل ہو گیا۔

میں نے رام پور ڈاکٹر شعائر اللہ خاں کو لکھا ہے کہ وہ وہاں کتاب خانے میں محفوظ عکسِ نسخۂ لاہور کا عکس کسی طرح میرے لیے حاصل کر لیں۔ میں اُس کو دیکھنے کے بعد ہی کچھ لکھ سکوں گا۔ تقاضاے احتیاط بھی یہی ہے۔ اس لیے ابھی آپ کو کچھ انتظار کرنا ہو گا۔ چاہتا ہوں یہ ہوں [کذا] کہ کچھ لکھوں تو بات قرینے کی ہو اور درست ہو، اور اس سے آپ کو بھی اتفاق ہو گا کہ مجھے اصل نسخے کو پہلے بہ چشمِ خود دیکھ لینا چاہیے۔

اب میں آپ کے خط کا منتظر رہوں گا۔ ایک زحمت اور: کیا یہ ممکن ہے کہ آپ ہاشمی صاحب کو اس پر آمادہ کر سکیں کہ وہ میری خطا (اگر کوئی ایسی خطا ہو) معاف کر دیں۔ اُن کے اس بیگانہ آشنا پن سے جی دکھتا ہے۔ اگر آپ یہ کام کر سکے تو آپ کو ثواب ملے گا۔ لیکن ابھی اس دنیا میں نہیں، اُس دوسری دنیا میں۔

خط میں اورینٹل کالج کا پوسٹل کوڈ ضرور لکھیے۔ رشید حسن خاں

بہ نام

مشفق خواجہ

[۱۹۳۵ء ___ ۲۰۰۵ء]

شاہ جہاں پور

۲۱ر دسمبر ۲۰۰۴ء

خواجہ صاحب مکرّم!

سلامِ شوق۔ ہاشمی صاحب کا خط مجھے نہیں ملا، مگر فون پر آپ کا کہنا خط سے بڑھ کر ہے، اب آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ طریقِ کار سے متعلق بعض باتیں واضح ہو جائیں، تاکہ آگے چل کر کسی طرح کی اُلجھن نہ پیدا ہو۔

میں نے وضاحت کی خاطر بانگِ درا کی پہلی نظم ہمالہ کے شروع کے چند بند لیے، پھر دو غزلیں نکالیں اور پھر بالِ جبریل سے دو قطعے لیے۔ اِس طرح جو کارڈ بن سکے، اُن میں سے دو صفحات کے بقدر [کذا] مسالا الگ کر لیا گیا۔ اب یہ آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں، کہ جو رد و بدل ہونا ہو، وہ ابھی ہو جائے۔

(۱) یہ پہلے ہی طے ہو جائے کہ صرف لفظ شماری مقصود نہیں۔ معنویت کا پہلو بھی ساتھ ساتھ نمایاں رہنا چاہیے۔ صرف لفظ شماری تو نرا ٹکنکل کام ہو گا لائبریری سائنس والوں کے مطلب کا۔

(۲) لفظ شماری کے لحاظ سے ہر لفظ کو جلی کمپوز کیا جائے گا۔ مفرد لفظ ہے تو وہی جلی ہو گا۔ مرکّب لفظ ہے تو پہلا لفظ اُس مرکّب کا، جو شمار میں آئے گا، جلی کمپوز ہو گا، باقی دو، یا تین لفظ معمول کے مطابق کمپوز ہوں گے۔

ہاں! جو مرکّب لفظ استعمالاً ایک کلمے کے طور پر آتا ہے، اُس کو بھی بہ طور ایک لفظ کے جلی لکھا جائے گا، جیسے: خیمہ زن، دل کشا، راہزن [کذا]، دل کش (وغیرہ) کہ یہ (بہ لحاظِ قواعد اسمِ فاعل سماعی ہیں) ایک اسم اور فعلِ امر کے صیغۂ واحد حاضر سے مل کر بنے ہیں اور اب بہ طور یک کلمے کے مستعمل ہیں۔ اِسی طرح ان سے بنے ہوئے اسمِ مصدر، جیسے: بزم آرا اور بزم آرائی،

دل کشی، نکتہ چیں اور نکتہ چینی، گلچیں (گُل چیں) اور گلچینی [گُل چینی] وغیرہ۔ یا ایسے ہی دوسرے کلمے، جیسے: سیہ بختی، خوش بختی، بدنصیبی، کم توجّہی [ان سب میں ایک بات مشترک ہوتی ہے کہ اِن کا جزوِ آخر کسی بھی مرکّب کا جزوِ اوّل نہیں بن سکتا، مثلاً سیہ بختی ہے اور بختی سیہ نہیں ہو سکتا وغیرہ] یہ سب بھی بہ طور ایک کلمے کے جلی کمپوز ہوں گے ----- ٹھیک ہے نا!

(۳) میں نے لفظ کی معنویت کو نمایاں کرنے کے لیے یا اُس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہر لفظ (خواہ مفرد ہو یا مرکّب) کے ساتھ وہ مصرع لکھا ہے جس میں وہ آیا ہے۔ صرف مستثنا صورتوں میں دونوں مصرعے لکھے جائیں گے، جیسے صفحہ نمبر ۲ پر تازیانہ، کہ یہاں معنویت کے لحاظ سے دونوں مصرعے لکھنا ضروری ٹھہرا۔------- اب یہ بتائیے کہ بہ طورِ عموم ایک مصرع کافی ہے یا دونوں مصرعے ہوں؟

(۴) ایسے اشاریوں میں ایک مشکل یہ ہوتی ہے کہ جس نسخے کے صفحات نمبر دیے گئے ہوں مصرعے کے ساتھ، وہی نسخہ قاری کے پیشِ نظر ہو، ورنہ وہ اُس لفظ کو تلاش نہیں کر پائے گا____ میں نے یہ کیا ہے کہ ہر لفظ کے ساتھ، متعلّقہ مصرعے کے بعد صفحہ نمبر لکھا ہے، پھر نظم کا عنوان لکھا ہے۔ اگر غزل یا قطعہ ہے، تو اُس کی نشان دہی کی ہے اور آخر میں اُس مجموعے کا مخفف نام لکھا ہے جس میں وہ نظم، غزل یا قطعہ ملتا ہے۔ اِسی طرح نظم کے عنوان اور مجموعے کے نام کی مدد سے وہ شخص بھی اِس کتاب سے استفادہ کر سکے گا [اور بہ قولِ فاروقی صاحب: استفادہ حاصل کر سکتا ہے] جس کے پاس اقبال کا کوئی بھی مجموعہ ہو______ آپ کی رائے اس باب میں کیا ہے؟

(۵) مجموعوں کے نام مکمّل لکھے جائیں یا مخفف صورت میں، جس طرح میں نے لکھے ہیں۔ کیا رائے ہے آپ کی؟ کیا فرماتے ہیں مفتیِ شرع متینِ ادب بیچ ان مسائل کے؟ بیّنوا و توجروا۔ آپ کے خط کے لیے چشم براہ [کذا] رہوں گا۔

(٦) ہر لفظ کے متعلّق حاشیے میں یہ لکھا جائے گا کہ کلامِ اقبال میں یہ کُل کتنی بار آیا ہے: کتنی بار بہ طور مفرد اور کتنی بار بہ طورِ مرکّب۔

ہاں صاحب! آپ نے اُس حسن کو شیشے میں اُتار لیا غالبؔ کے واسطے سے؟

رشید حسن خاں

☆

بہ نام

اڈیٹر ترجمان القرآن ___ لاہور

ترجمان القرآن کے شمارہ جنوری ۲۰۰۶ء کے بہرۂ مکتوبات میں کراچی کے مولانا امیر الدین مہر کا ایک مکتوب شائع ہوا جس میں اُنھوں نے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے اس موٗقف کو نادرست ٹھہرایا کہ "پزیر درست نہیں بل کہ پذیر درست ہے۔" ڈاکٹر ہاشمی نے یہ بات، مہر صاحب کی ایک کتاب پر تبصرے کے ضمن میں لکھی تھی۔ مہر صاحب نے مذکورہ بالا مکتوب میں جواباً اپنا خیال ظاہر کیا کہ "ذ" کا حرف فارسی میں نہیں، اس لیے فارسی الفاظ میں "ذ" کی بہ جائے "ز" کا استعمال درست ہے۔ اس خط کے حوالے سے فروری ۲۰۰۶ء کے شمارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے لکھا کہ: "یہ بھی ایک مفروضہ ہے کہ فارسی میں ذال نہیں ہے۔ متعدد نام وَر اور مسلّمہ ماہرینِ لغت و املا، مثلاً ڈاکٹر شوکت سبزواری، جناب رشید حسن خاں، پروفیسر نذیر احمد، سیّد قدرت نقوی اور بہت پہلے خانِ آرزو ثابت کر چکے ہیں کہ فارسی میں ذال ہے۔" (ص نمبر ۱۰۶) بعد ازاں ڈاکٹر ہاشمی نے اس مسئلے پر اظہارِ خیال کے لیے رشید حسن خاں صاحب کو دعوت دی، انھوں نے زیرِ بحث موضوع پر مہر صاحب کے مذکورہ بالا مراسلے کے حوالے سے مدیر ترجمان القرآن کو حسبِ ذیل خط تحریر کیا۔ مدیرِ محترم نے اسے شائع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، یوں یہ خط پہلی بار اشاعت آشنا ہو رہا ہے۔

۲ر فروری ۲۰۰۶ء

مکرّمی!

ترجمان القرآن کے شمارۂ جنوری ۲۰۰۶ء میں ایک مکتوب شائع ہوا ہے جس میں لکھا گیا ہے:

"میں نے گذشتہ ایک سال سے صرف ذال پر تھوڑا سا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ذ حرف اُردو، فارسی کا ہے ہی نہیں، یہ حرف عربی زبان کا ہے۔

چنانچہ فوری طور پر دستیاب اُردو لغات میں سے نسیم اللّغات دیکھا تو اُس میں ذ سے بننے والے کُل کلمات ۳۴ ہیں اور یہ سب کے سب عربی زبان سے ماخوذ ہیں“۔

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ لسانیات سے متعلق مسائل میں تھوڑا سا مطالعہ کام نہیں آتا؛ اِس کے لیے ضروری ہے کہ مفصّل مطالعہ کیا جائے؛ یہ بھی ضروری ہے کہ لسانیات اور صوتیات کے اصولوں سے اور طریقِ کار سے واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ ظاہر ہے کہ اِس کے لیے اچھا خاصا وقت درکار ہوگا۔ جن اہلِ علم نے ایسے اہم مسائل پر اظہارِ خیال کیا ہے، اُنھوں نے عُمرِ عزیز کا بڑا حصّہ اس کی نذر کیا ہے۔ مزید یہ کہ ایسے اہم مسائل میں نسیم اللّغات جیسے لغت کا حوالہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ اگر مکتوب نگار کی رائے میں ذال فارسی کا حرف نہیں تو اہم فارسی مآخذ کا حوالہ دیا جانا چاہیے تھا۔ فیروز اللّغات اور نسیم اللّغات جیسے لغت طلبہ کے لیے کارآمد ہوسکتے ہیں، لسانی مسائل میں اُن کو بہ طورِ کتابِ حوالہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بھی عرض کرنا ہے کہ کچھ اور وقت صرف کرکے اگر اُن سب اہم تحریروں کو پڑھ لیا جاتا جو پچھلے ساٹھ ستر برسوں میں ذال سے متعلق لکھی گئی ہیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی کہ ذال فارسی کے حروفِ تہجی میں شامل ہے۔ یہ اُن حروف میں سے ہے جو عربی اور فارسی میں مشترک ہیں اور یہ کہ فارسی زبان کے بہت سے لفظوں میں اصلاً ذال ہے، ایسے لفظوں کو زے سے لکھنا قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

مرزا غالب نے یہ رائے ظاہر کی تھی ذال فارسی کے حروفِ تہجی میں شامل نہیں، لہٰذا فارسی الفاظ میں ذال نہیں لکھنا چاہیے، زے لکھنا چاہیے اور وہ خود گذشتن اور گذاشتن کے مشتقات میں زے لکھتے تھے۔ برہانِ قاطع کی بحث کے سلسلے میں مرزا صاحب کی جن رایوں سے اہلِ علم نے اختلاف کیا تھا، اُن میں یہ مسئلہ بھی شامل تھا۔ اُن اہلِ علم اور اہلِ نظر نے مفصّل بحثیں کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ قول قابلِ قبول نہیں۔ اِس سلسلے میں ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی، قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر نذیر احمد کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر صدّیقی عربی کے اُستاد تھے اور اُنھوں نے قدیم فارسی، سُریانی، عبرانی، اوستا اور پہلوی خاص طور پر پڑھی تھی اور باقاعدہ صوتیات کے موضوع کو سمجھا تھا اور اِس کی باضابطہ تعلیم حاصل کی تھی۔ ذال کے سلسلے میں اُن کا مقالہ مقالاتِ صدّیقی (جلد اوّل) میں شامل ہے، جس میں اُنھوں نے بہت سے قدیم حوالوں کو یک جا کردیا ہے۔ اگر اُسی کو پڑھ لیا جاتا تو یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہوسکتی تھی کہ

ذال فارسی کا حرف نہیں۔ اِسی طرح قاضی عبدالودود کا مقالہ اِس بحث میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ عصرِ حاضر کے معروف و ممتاز ایرانی زبان شناس اور لغت نویس ڈاکٹر معین کے معروف فارسی لغت فرہنگِ فارسی کو اگر دیکھ لیا جاتا تو ایسے الفاظ کے سلسلے میں ضروری معلومات حاصل ہو سکتی تھی [یہ لغت چھے ضخیم جلدوں میں ہے]۔ ڈاکٹر معین نے معروف فارسی لغت برہانِ قاطع کو بھی مفصل حواشی کے ساتھ مرتب کیا ہے؛ اُس میں اُنھوں نے یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ متعدد فارسی الفاظ کے تحت حواشی میں خاص طور پر یہ صراحت کر دی ہے کہ ان میں ذال ہے، زے نہیں؛ اِن میں گذشتن اور گذاشتن بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر صدیقی نے اپنے مقالے میں شرف الدّین علی یزدی کا یہ قطعہ بھی نقل کیا ہے:

هشت حرف است آنکه اندر فارسی ناید همی
تا نیا موزی، نباشی اندریں معنی معاف
بشنو از من تا کدامست ایں حروف و یاد گیر
ثا و حا و صاد و ضاد و طا و ظا و عین و قاف

ذال اُن آٹھ حرفوں میں شامل نہیں جو عربی سے مخصوص ہیں۔ مختصر یہ کہ ذال کے مسئلے پر ماہرینِ زبان و لُغت نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اُس کو پڑھے بغیر راے ظاہر کرنا مناسب نہیں، اِس سے طلبہ میں اور عام لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اور غلط فہمی ایک بار پیدا ہو جائے تو پھر بہت مشکل سے دور ہو پاتی ہے۔

فارسی مصادر پذیرفتن، گذشتن اور گذاشتن میں ذال ہے، اِن کے مشتقات میں لازماً ذال آئے گا۔ گزاردن میں زے ہے، اِس کے مشتقات میں زے لکھی جائے گی۔ اِس کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔ مثلاً گزاردن کے معنی ہیں: ادا کرنا، بجالانا۔ اور گذاشتن کے معنی ہیں: چھوڑنا۔ ''عبادت گزار'' کے معنی ہوں گے: عبادت کرنے والا۔ اور ''عبادت گذار'' کے معنی ہوں گے: عبادت ترک کرنے والا۔

میری یہ بھی درخواست ہے کہ ایسے مسائل پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے بہت احتیاط سے کام لیا جانا چاہیے۔ ایسے مسائل کے جملہ متعلقات کو پیشِ نظر رکھے بغیر کوئی قطعی بات نہیں کہی جانا چاہیے۔

رشید حسن خاں

ضمیمہ۲:

عکسِ تحریر رشید حسن خاں

❁

کچھ اپنے بارے میں

ہاشمی صاحب کے مقدمے میں، اور خط ۲۲، اور ۲۳ کے متن اور تعلیقات میں بھی اورینٹل کالج لاہور کی طالبہ مسرت انیس کے سوالات اور خاں صاحب کے جوابات کا ذکر ملتا ہے، آیندہ صفحات میں خاں صاحب کے مذکورہ جوابات کا عکس دیا جا رہا ہے جو ان کے اپنے سوادِ تحریر میں ہے ــــ اس تحریر کی ایک حیثیت، رشید حسن خاں کی خودنوشت کی بھی ہے ــــ

(مرتب)

ثانوی کی اسناد میں تاریخِ ولادت ۳۰ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء لکھی ہوئی ہے۔ یہ تاریخ کسی نے لکھا دی تھی، مجھے بھی معلوم نہیں۔
صحیح سالِ ولادت سنہ ۱۹۲۵ء ہے، دسمبر کا مہینا۔ تاریخ کا علم نہیں۔

(۳) والد کا نام: امیر حسن خاں۔ دادا کا نام: علی حسن خاں۔ میرے والد پولیس میں ملازم تھے، کشتی کے شوقین تھے، اسلیے پولیس کی ملازمت کو ترجیح دی؛ ورنہ ہمارے خاندان میں فوج کی ملازمت کو شایانِ شان سمجھا جاتا رہا ہے۔ دادا بھی فوج میں تھے۔ آبا و اجداد سے متعلق زیادہ تفصیلات معلوم نہیں۔ میرے والد نے تحریکِ عدمِ تعاون کے زمانے میں ملازمت سے استعفا دے دیا تھا؛ مگر ان کا ریکارڈ بہت اچھا تھا، یوں ان کے سپرنٹنڈنٹ نے سمجھا بجھا کر قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی درخواست دلوا دی، یوں ان کی پنشن ہو گئی تھی۔ پندرہ روپے دو آنہ پنشن تھی، جو آخر تک ملتی رہی۔ وہ انگریزی ملازمت کو ناجائز سمجھنے لگے تھے اور انگریزی تعلیم کو بھی خلافِ مذہب ماننے لگے تھے؛ اسلیے مجھے کسی اسکول میں داخل کرانے کے بجائے، عربی پڑھنے کے لیے بٹھا دیا تھا اور پھر ابتدائی کتابوں کے بعد شہر کے مشہور مدرسہ بحر العلوم میں درسِ نظامی کے لیے داخل کرا دیا تھا، جہاں میں سنہ ۱۹۳۹ء کے وسط تک زیرِ تعلیم رہا۔

(۴) مدرسے کے اساتذہ میں قابلِ ذکر نام مولوی محمد مجتبیٰ حسن خاں مرحوم کا ہے۔ وہ بہت روشن خیال عالم تھے اور گروہ بندی کے سخت خلاف تھے۔ ایک قول عموماً اپنے طالب علموں کو سنایا کرتے تھے کہ جو شخص خدا کی وحدانیت، رسول کے آخری نبی ہونے اور یومِ حساب کا قائل ہے، میں اسے کافر کبھی نہیں کہہ سکتا۔ وہ گنہگار ہو سکتا ہے، کافر نہیں ہو سکتا۔ فروعات میں الجھنے سے منع کیا کرتے تھے اور کسی شخص کو کافر ماننے سے بھی منع کیا کرتے تھے۔ مجھ کو تنگ نظر تعصب سے آزاد — میرے ذہن میں تحقیق کے پہلے نقوش انھی کی تعلیم کا نتیجہ تھے۔

ابتدائی تعلیم محلے کے مولوی صاحب سے حاصل کی۔ وہ میرے والد کے بھی استاد تھے۔
جب میں پڑھنے بٹھایا گیا ہوں تو ان کی عمر ۷۵ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ پھر سنہ ۱۹۳۲ء میں مدرسہ بحر العلوم بھیج دیا گیا۔ درسِ نظامی کی تکمیل نہیں کر سکا، متوسطات تک کی کتابیں پڑھی تھیں کہ دوسری جنگِ عظیم شروع ہو گئی۔ گھر کے حالات اچھے نہیں تھے، آمدنی وہی ۱۵ روپے دو آنے پنشن کی تھی؛ اسلیے آرڈیننس کلودنگ فیکٹری میں جب بھرتی شروع ہوئی تو میں بھی بھرتی ہو گیا۔ اس وقت میری عمر چودہ سال کے لگ بھگ تھی۔ آرمی کی اس فیکٹری میں فوجی وردیاں سلتی تھیں۔ یہ فیکٹری اب بھی ہے۔

(۵) اسکول کالج میں کبھی نہیں پڑھا۔ جب فیکٹری میں مزدور کے طور پر کام کرتا تھا، انھی دنوں محلے کے ایک صاحب سے ہندی کی پہلی کتاب پڑھی تھی، جس کا نتیجہ ہے کہ میں اب ہندی پڑھ لیتا ہوں، اس طرح لکھ بھی پاتا، گو روانی سے نہیں، ٹھہر ٹھہر کر لکھ سکتا ہوں۔ اپنے ایک رشتے کے بھائی کے کہنے پر اے بی سی سیکھی تھی اور بس۔ پھر رفتہ رفتہ انگریزی اخبار پڑھنے کی مشق کرنا شروع کی۔ شروع شروع میں، تین چار کچھ دنوں میں عبارت کو بہ آسانی پڑھنے لگا۔ باضابطہ انگریزی زبان حاصل نہیں کر سکا، مگر ہلکی پھلکی کتابیں بہ آسانی پڑھ سکتا ہوں اور حوالے کی کتابوں سے بھی بخوبی استفادہ کر سکتا ہوں۔

(۶) سب سے پہلے شہر کے ایک مدرسے فیضِ عام میں ~~[illegible]~~ تقرر ہوا۔ وہاں مشکل سے پندرہ آ کر درسِ نظامی کی جو ابتدائی کتابیں مجھے پڑھانا تھیں (جنھیں میں خود بچپن زمانے میں پڑھ چکا تھا) ان کے پڑھنے پڑھانے والے کا اللہ ہی حافظ ہے، ذہنی طور پر، اور پھر چند روز کے بعد بات کھل کر سامنے آ گئی کہ طلبہ کے سینئر مدرسے سے (جو میرے دوست بھی تھے اور کلاس فیلو بھی) یہ کہا کہ (استادِ محترم) تو داڑھی

(۲) ٹنڈو اللہ یار میں، بیلاج اڈ ان ہے کیسے میر ہو سکتے ہیں۔ مہتمم صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ داڑھی تو [redacted]
رکھنا پڑے گی، ورنہ مخالفت زیادہ ہوگی۔ اشارہ اُن کی جانب خود درست تھی، مگر میں نے یہ کہا
کہ یہ تو درشوت کا داڑھی ہوگا کہ نوکری کی خاطر داڑھی رکھ لوں۔ یعنی انکار کر دیا۔ میں
داڑھی کو شرعی حیثیت سے مسنون قرار دیتا ہوں، لیکن اُس وقت گویا ضد کی بات آپڑی تھی۔ خیر، سمجھوتا
اس پر ہوا کہ میں درس نظامی کا آخر منشی [redacted] اور منشی فاضل کے امتحانات کی تیاری کراؤں
اور وہیں پر مطمئن ہو گئے۔
اسی دوران اسلامیہ ہائر سیکنڈری اسکول میں فارسی اردو کے اُستاد کی ایک جگہ نکلی۔ پہلے ہی اردو استاد کی
ایک جگہ تھی جس پر [redacted] مولوی یوسف صاحب ایم اے تھے، جو اُس وقت وہاں اسکول میں
(بعد میں پرنسپل بھی ہو گئے)
ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ شہر کی ایک بڑی مسجد کے امام [redacted] تھے اور بہت لوگوں کے پیر بھی تھے۔ مشہور شخص تھے۔
وہ دو تین سال کے لیے اس اسکول میں ملازمت کرنا چاہتے تھے۔ میرے استاد مولوی محبوب حسن صاحب
مرحوم کی سفارش اور دوستوں کے اثرات سے میرا کام یاب ہونا یقینی سا تھا۔ مولوی یوسف صاحب نے بعد نماز جمعہ
منبر پر اعلان کیا کہ یہ شخص پڑھا کر کمیونسٹوں کے ساتھ رہتا ہے، بعض میں کام کرتا رہا ہے اور
کمیونزم کو مانتا ہے، اس لیے یہ مسلمان نہیں ہے اور ایسے شخص کو اسلامیہ اسکول میں جگہ
کیسے دی جا سکتی ہے۔ یہ گویا فتویٰ تھا، مگر افسوس کہ اُنھیں کام یابی نہیں
ہوئی اور اسی لیے ۱۹۵۲ء میں اسلامیہ اسکول میں اردو فارسی کے اُستاد کے طور پر کام کرتا تھا۔
اُس وقت تک میں یو۔پی کے عربی فارسی بورڈ سے مولوی کا امتحان پاس کر چکا تھا اور لکھنؤ
یونی ورسٹی سے اور پنجاب یونیورسٹی سے دبیر کامل کا امتحان بھی امتیاز کے ساتھ پاس
کر چکا تھا، یوں اردو فارسی کے ٹیچر کی آسامی بن گئی۔ یہاں میں ۱۹۵۹ء تک رہا۔ ۱۹۵۹ء
میں اگست کے مہینے میں دہلی یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں ریسرچ اسسٹنٹ کے طور پر چلا گیا
اور پھر وہیں ریسرچ ایسوسی ایٹ ہو گیا اور وہاں سے ذرا سا قبل از وقت ۳۱ دسمبر ۱۹۸۹ء
کو ریٹائر ہو گیا۔
(فیروزی)
اسکول کی ملازمت سے پہلے [redacted] اور آرڈیننس کی ملازمت کا طویل تعلق اوپر بیان
ہو چکا ہے۔ بہت پریشانی کا زمانہ تھا، معاشی طور پر پہلے آپ کا پیسہ والی ایک باتیں ہیں منشی رہا اور پھر ایک
زمیندار کے یہاں کارندہ بنا۔ رسول کی زندگی اور قصبہ کی زندگی اور دیگر احوال
۱۹۴۹ء میں آغاز ۱۹۴۹ء تک یہ دور رہا۔ پھر [redacted] وارثی کی ایک دکان پر
منشی بن گیا اور ۱۹۵۰ء میں وہاں سے مدرسۂ فیض عام میں اُستاد بن گیا تھا۔
(۵) جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ اُس وقت تک، سوائے کارخانوں کے، نوکری مل سکتی تھی۔ آرڈیننس کے کارخانوں میں ایک
اجازت نہیں تھی۔ کچھ لوگوں نے ۱۹۴۳ء کے وسط میں کوشش کی اور میلاد شریف کے نام سے شہروں میں چھپ چھپا کر
پرنیوں کا ڈول ڈالا، پھر کھل کر کام ہونے لگا، یہاں تک کہ ۱۹۴۵ء کے آخر میں ۳۳ روزکی اسٹرائک ہوئی
جو کسی بھی آرڈیننس فیکٹری میں پہلی باقاعدہ اسٹرائک تھی۔ میں اُس وقت اپنی یونین کا جوائنٹ سکریٹری
تھا۔ اسی کی پاداش میں ۱۹۴۶ء کے بالکل شروع میں فیکٹری سے نکالا گیا۔ تو یہ تحصیل اتفاق در قوع ہوتا
تو شاید میری زندگی کا رُخ ہی کچھ دوسرا ہوتا۔ معاشی طور پر اُس کے بعد چار پانچ سال بہت پریشان رہا۔
[redacted] ۔ ۱۹۵۲ء میں میری شادی ہوئی تھی۔ بہادر قوی اور جاں نثار بیوی ملی تھی، جس نے بہادری، استقلال
اور خوش دلی کے ساتھ اُن دنوں رفاقت کا حق ادا کیا اور یہ روشنی آج بھی برقرار ہے۔

علاوہ ازیں میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا ایک تربیت یافتہ شخص تھا، بہت محنتی، ایماندار
اور بے لوث تھے۔ اُن دنوں کمیونسٹ پارٹی میں کام [illegible] کو [illegible] حاصل تھی اور
یہ زمانہ انتہا پسندی کا تھا سیاسی سطح پر۔ مثلاً ہمت نام کی اُن دنوں کوئی چیز نہیں تھی۔ مزدوروں کو
سے [illegible] مزدوروں کے مسائل کو حل کرنے سے زیادہ، پارٹی کی آئیڈیالوجی کو پھیلانے کا کام لیا جاتا تھا۔
اور مزدوروں کی ایسی [illegible] تمام کی [illegible] میں [illegible] ذہنی تربیت کی جاتی تھی۔ [illegible]
ایسے تھے [illegible] پالیسی سے اتفاق نہیں کرتے تھے، میں بھی انہی میں تھا۔ ہمارا کہنا تھا کہ انڈیا کے مزدورو!
ایک ہو جاؤ، [illegible] اور محض سیاسی ہتھکنڈا [illegible]، بلکہ ہر کارخانے کے مزدوروں کے
مسائل الگ الگ ہیں۔ پھر وہ سب ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہم یہ کہتے تھے کہ مینجمنٹ سے لڑنا
ہمارا مقصود نہیں ہو سکتا، [illegible] ہو سکتا ہے مگر یہ پارٹی کی پالیسی کے
خلاف تھا۔
یہ شخص [illegible] تھا۔۔ سب [illegible] آتی ہے اُس وقت [illegible] کو سنبھالے رہے
آگے تھے۔ [illegible] بہت ایماندار، سچے تھے مگر سادہ دل تھے اور داؤ پیچ سے نا آشنا۔ جب کہ
[illegible] لیڈر تھے، وہ سب [illegible] آتے تھے اور اپنے طریقے کے مطابق ذہنی اور عملی
استفادہ [illegible] آتے تھے۔ [illegible] کا پیدا ہونا لازم تھا،
اور [illegible]۔ [illegible] سوالات
تحفظ کے [illegible] دنیا پر [illegible]۔ سب سے پہلا [illegible] میں استاد [illegible] کی باتیں
[illegible] کہ [illegible] ایک دوسری [illegible] سے
تربیت [illegible] تھی۔ [illegible] استاد [illegible] جس قدر متوازن ذہن اور عمل کے مالک
تھے [illegible] اُسی قدر [illegible] تھے۔ صلح سمجھوتے کے قائل ہی نہیں تھے۔ جس بات کو اپنے نزدیک
درست سمجھتے تھے، اُس کو علی الاعلان کہتے تھے اور بار بار۔ [illegible] آکر [illegible] چھوڑنے پر
تیار ہو جاتے، یہ سوچے بغیر [illegible]۔ مگر دل کے بہت صاف اور سچے تھے، اگرچہ [illegible] کا اظہار [illegible]
ہو جاتا تھا۔ [illegible] اور [illegible] شخصیت [illegible] اُن کی [illegible] کے اہم اجزاء۔ ایک واقعہ سے
[illegible] کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔۔ وہ [illegible] تھے اور اُن کے استاد (جو [illegible] پہلا استاد
تھا) دیوبندی تھے۔ ہمیشہ کہتے تھے کہ [illegible] استاد ہیں، کچھ کہہ نہیں سکتا؟ [illegible] دیوبندی ہیں۔
[illegible] قرآن پاک بہت جلد ختم کر لیا۔ خوشی [illegible] استاد نے [illegible] جس دن اپنا نسخہ قرآن پاک
دے دیا بہت سی دعاؤں کے ساتھ۔ وہ [illegible] ترجمہ تھا۔ ترجمہ مولانا اشرف علی کا تھا اور حاشیے پر
تفسیر بھی اُنہی کی تھی۔ [illegible] خوشی خوشی گھر آکر [illegible] والد کے سامنے اُسے رکھ دیا۔ [illegible]
اب [illegible] کھول کر دیکھتے ہیں کہ ترجمہ مولانا اشرف علی کا (جو معروف دیوبندی عالم تھے) [illegible] کا رنگ
[illegible]۔ انتہائی غضب میں کہنے لگے [illegible] اُسی وقت [illegible] کا ترجمہ [illegible]
سمجھ [illegible] معاملہ قرآن پاک کا، [illegible] نہیں سکتے تھے۔ کچھ دیر [illegible]
اور [illegible] رہے، پھر [illegible] والدہ کو آواز دی: [illegible] آئیں [illegible]

کرتا ہوں۔ چھ بجے تک پڑھتا ہوں۔ بیٹھ جاتا ہوں، آٹھ بجے تک۔ پھر ۹ بجے سے ایک بجے تک۔
ایک بجے دوپہر کا کھانا کھاتا ہوں۔ دو گھنٹے آرام کرتا ہوں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق، یوں کہ دل کا مریض
ہوں۔ تین بجے اٹھ کر چائے پیتا ہوں اور پھر آٹھ بجے تک کام کرتا ہوں۔ شام کی خبریں سن کر
ساڑھے ۹ بجے بستر پر لیٹ جاتا ہوں۔

چائے بغیر دودھ کی پیتا ہوں۔ علی الصباح لیمن ٹی، پھر سادہ چائے۔ لپچو میری پسندیدہ چائے ہے۔
کوشش کرتا ہوں کہ کہیں اور چائے نہ پیوں، کیونکہ عموماً گھروں میں اور ہوٹلوں میں
جو چیز ملتی ہے، اسے چائے کہنا [illegible] ذیل میں آتا ہے۔ چائے کی پتی کو دودھ اور شکر کے
ساتھ اوٹانا، کاڑھا تیار کرنا ہے! چائے کا اس سے کیا واسطہ!! اس قلیل مشروب کو
یار لوگ چائے کہتے ہیں اور شوق سے پیتے ہیں۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں عجائبات کی، انھی میں سے
ایسے ہی سمجھنا چاہیے کہ خوشنما جیسی [illegible] چیز کو چائے کہا جاتا ہے۔ عمدہ پتی کو دم
دیا جائے اس پتی کے مقررہ وقفے تک (جو بعض پتیوں کے لیے پانچ منٹ اور بعض کے لیے آٹھ منٹ
ہوتا ہے) تب کہیں وہ خوشبو پیدا ہوتی ہے جو چائے کا حاصل ہے اور وہ ذائقہ جو ذوق کی تربیت
میں معاون ہوتا ہے اور خوشی دیتی ہے کہ پہچان بنتا ہے۔ اسے یہ بھی دیکھنا ہوں کہ چائے کے کپ
پینے کے لائق [illegible] تنگ تر بنے ہوتے ہیں۔ مجھے ایسے کپ سے وحشت ہوتی ہے۔ مخروطی وسعت کا کپ
ہو۔ جب کسی کو گلاس میں چائے پیتے دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ اس کے لیے ساری خوش ذوقی (اور
تہذیب) [illegible] میں مشروبات کے اسی بنیادی اصول کا اس سلسلے میں اطلاق کرتا ہوں
جو لفظ و معنی کی بحث میں سامنے آتا ہے کہ خیال بھی اچھا ہو اور جملہ بھی۔ اسی طرح چائے بھی اچھی ہو اور
کپ بھی ایک سبک، خوش رنگ اور وسعت دار۔ چائے دانی کا بڑا شوق (ٹی کوزی) سادہ ہو
تو بہتر ہے۔ [illegible] جیسے [illegible] چمک دار اور سر پوش ملتے ہیں۔ اچھے ہوتے ہیں، مگر وہ سادگی میں
جو حسن ہوتا ہے، وہ اس میں کہاں۔ اس میں تکلف ہے، کچھ دکھاوا ہے، اور کچھ [illegible]۔ مگر
[illegible] کی شاعری والی بات ہی ہوئی، اچھے لفظ [illegible] مشروبات سے خالی تو [illegible] آ گئی
باوجود [illegible] محض ذوقی [illegible] ہو سکتے ہیں، [illegible] تکلف [illegible]
دلی میں [illegible] ہاسٹل میں رہتا رہا، [illegible] ناشتہ
[illegible] کیا کرتا تھا، چائے میں نہیں پیتا تھا، چائے اپنے کمرے میں آ کر پیتا تھا
میس میں ملتی تھی۔ میں ناشتہ [illegible]
[illegible]۔ صبح کی چائے کو ۷ بجے [illegible] یہ معمول [illegible] اسی
ترتیب کے ساتھ [illegible] وہ [illegible] صبح [illegible] ملتی ہیں۔ [illegible] جو
[illegible] بہت [illegible] ہوتی ہے۔ [illegible] چائے پیتی ہیں اور اسی سلسلے میں [illegible]
کر سکتی۔ اچھی [illegible] زیادہ [illegible] کیا جائے۔ یہ [illegible]
آسانی سے [illegible] وقت [illegible] آسانی [illegible] ذوق کے ساتھ [illegible]
یہ آسانی تیار [illegible] یاد آ گیا: قاضی جی [illegible]
[illegible] نہیں۔

آج بھی آپ اس کو جو بھی کہیں، مگر وہ آپ اس کو برحق سمجھتے تھے کہ انقلاب سے گزرے ہیں۔ الحمد کہ کسی بھی رنگ
سنگل میں گوارا نہیں کر سکا۔ اُن کے دل اور اُن کی زبان میں فاصلہ نہیں تھا۔ میں دہلی کے "مکتب الہ
ساہیتہ" کو کتابوں کا ساتھ وہ ۱۹ سال رہا ہوں اور اس پوری مدت میں آخر تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ
کسی شخص کی حقیقت کیا ہے۔ جب کہ اُس زمانے میں [illegible] گھر میں اور محلے میں اور شہر میں ان شخصوں کو
خوب معلوم ہوتا تھا کہ کسی کی کیا حیثیت ہے۔ پانچ منٹ بھی نہیں لگتے تھے صحیح معلوم ہونا ہیں۔ وہ سب لوگ
ایک تھے، صفت تھے، بھولے تھے، نا عاقبت اندیش بھی تھے، مگر کھرے تھے، جن کے دل آئینے کی طرح
روشن تھے اور زبان میں تلوار کی دھار ہوتی تھی کہ کوئی بھی بات لپٹی رکھی نہیں تھی ——— مجھ کو
اس ماحول نے قدم قدم پر سچائی اور بے باکی کا عادی بنایا، ہنس مکھ بات کہنے کی عادت ڈالی اور ادبی تحقیق
عمل میں اس ابتدائی تربیت سے بہت مدد ملی۔ میرے خاندان میں ایک بزرگ تھے، اُن کا قول تو یہ تھا کہ
جس پٹھان میں عقل اور جہالت نہیں، اُس کی نسل میں فرق ضرور ہے۔ ایسا کیا واقعہ یا سچ
ناقابلِ قبول ہے۔ لیکن یہ تو تھا کہ پٹھان معاملات اخلاقیات سے عموماً ناآشنا ہوتے تھے اور منافقت
اور ریاکاری سے خالی ہوتے تھے۔ آخر بات کا اور اول بھی تھا۔

(۱۰) تقریباً ۱۹۴۲ء میں رسالہ نگار سے متعارف ہوا اور نیاز فتح پوری کی تحریروں کا بہت اثر ہوا۔ [مجھ زمانے میں
ترجمے [illegible] بڑے شعراء کا ذہنی تربیت نیاز کی تحریر سے ہوئی تھی] تکنیک، دلیل کا مطالبہ، شہادت کا
تصور اور روایت کے پیچھے چھپے ہوئے مسلمات کا ابتدائی سبق بھی مشہور نیاز کی تحریروں سے ملا۔ یہ بہت
دلچسپ بات ہے کہ جب باقاعدہ تحقیق کے دائرے میں آیا تو معلوم ہوا کہ نیاز کے ذہن کو تحقیق
سے بہت کم مناسبت تھی اور شناسائی بھی دور کی تھی اور مصلحت پسندی سے وہ غافل نہیں ہوتے تھے۔
اس کے باوجود کہ وہ خود محقق نہیں تھے، اُن کی تحریروں نے ذہنوں میں تحقیق سے مناسبت پیدا کی
اور میں آج بھی علی الاعلان اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اُس زمانے میں نیاز کی تحریروں نے
میرے ذہن میں بہت سے سوالیہ نشان پیدا کیے تھے جو بالآخر تحقیق کے عمل میں [illegible]
پیش حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مولانا
امتیاز علی خاں عرشی کی تحریروں سے تحقیق کے آداب سیکھے، اس لیے ان چاروں حضرات کو
میں اپنا معنوی استاد مانتا ہوں۔

(۱۱) شاہجہاں پور ہاکی کا بڑا مرکز ہے۔ بڑے اچھے اچھے کھلاڑی پیدا ہوئے اور ہوں گے۔ اس لیے اس کھیل
سے شروع سے دلچسپی رہی ہے۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۲ء تک خود بھی ہاکی کھیلی ہے۔ کھیل میں کھلاڑی
کے طور پر کوئی قابلِ ذکر حیثیت تو حاصل نہیں کر سکا، مگر ٹیم میں کھیلتا رہا۔ دہلی آیا تو بڑے
بڑے میچ دیکھنے کا موقع ملا اور وہاں بڑے وقت کا خاصا حصہ اسپورٹس اسٹیڈیم کی نذر
ہو جایا کرتا تھا۔ ہاکی کے سوا پسندیدہ کھیل فٹ بال، والی بال اور باسکٹ بال بھی۔
کرکٹ سے بھی دلچسپی ہے۔ کبڈی بھی کھیلی ہے۔ اب ٹی وی پر میچ دیکھنے پر قناعت
کرنا پڑتی ہے (اتفاقات ہیں زمانہ کے)۔ مجھے ابھی ورلڈ کپ کے میچوں کا انتظار ہے، انھیں
پابندی سے دیکھوں گا۔ یہ اس انہماک سے [illegible] تحقیق کا [illegible] بھی اثر نہیں پڑتا [ہر ہوسناکے
نداند جام و سنداں باختن]۔

(۱۲) پہلے معمولات میں ۱۹۵۶ء [illegible] تبدیلی آئی ہے، پہلے کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ صبح پانچ بجے
اٹھتا ہوں۔ ہر موسم میں ساڑھے پانچ بجے کے قریب نہاتا ہوں، شدید سردی کے زمانے میں بھی اس کا ناغہ
نہیں ہوتا (ساری کرامات اسی کی ہیں)۔ پھر چھ بجے سادہ چائے پیتا ہوں لیمن کی۔ آٹھ بجے ناشتا

۶ یہ دل کا حال کسی کو [illegible] سے بیٹھا کر تماشا [illegible] رہتی ہیں ہے۔ مگر بیٹھے تنہا۔
[illegible] ساتھ [illegible] نہیں۔ اسی وقت [illegible] ہوتی تھی۔ مجلس آرائی کا میں قائل نہیں۔ [illegible]
باتوں کا شوق نہیں۔ اتنا وقت ہی نہیں ملا کبھی۔ [illegible] ہو جاتی ہیں۔ اب جب دہلی جا
[illegible] کائی [illegible] اچھا ہوں کہ [illegible] دوبارہ۔ [illegible] میری [illegible]
[illegible] بڑے ترتیب یافتہ [illegible] اور مردم شناس۔ میں کہ آدمی تاریخوں میں [illegible] جیب میں
[illegible] نہیں ہوتا تھا، مگر [illegible] کا [illegible] کا ناغہ نہیں ہوتا تھا [illegible] رہتا۔ اس کی
[illegible] کہ جیب میں پیسے ہوتے، فوراً دیا، [illegible] نہیں ہوتے تو نہیں۔ اس نے کبھی
[illegible] کبھی بل لاکر میز پر نہیں رکھا۔ دو دن، پندرہ دن، چار دن۔ جب تنخواہ ملی
اُس کی [illegible] کر دیتا۔ نہ اُس نے حساب بتایا، نہ میں نے پوچھا۔ کبھی [illegible]
کی بیٹھک ہوتی۔ ایسی ایمان داری تو بہت سے ادیبوں اور ناقدوں میں بھی نہیں ملتی۔ اساتذہ
[illegible] نہیں کیا کہ [illegible] عموماً اس سلسلے [illegible] غیر مستعمل ہوتے ہیں۔ جو دوسروں [illegible]
[illegible] فرض ہے۔ [illegible] کے لیے [illegible] ہوتی۔

آج کل کے معمولات بس [illegible] محدود ہیں۔ میں تقریبات میں عموماً شرکت نہیں کرتا۔ رشتے داری
میں بہت کم کہیں کبھار جاتا ہوں اور [illegible] مجبوراً۔ چاہتا ہوں کہ [illegible] کے لیے [illegible]
وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ اس لیے [illegible] ٹیلیفون نہیں لگوایا کہ وقت ضائع ہوگا۔ لوگ عموماً
فضول باتیں کرتے ہیں، غیر ضروری اور [illegible]۔ [illegible] بے معنی باتیں [illegible] جاتی ہیں۔
[illegible] برسے [illegible] چاہتے ہیں۔ میں نے اس [illegible] اگر کوئی [illegible] دور
[illegible] اور بے [illegible] ملایا جاتا [illegible] کوئی اہم بات نہ ہو [illegible]

(۱۳) ... سوالات کا جواب پچھلے دو سال سے مرتب کر رہا ہوں۔ [illegible]
[illegible]۔ [illegible] کی فرمائش سے پاکستان کے کئی اہم قلمی نسخوں کے عکس [illegible]
[illegible] کام [illegible] جس [illegible] ہے۔ [illegible] ترقی اردو بیورو [illegible]
[illegible] پر [illegible] مجموعہ [illegible] میں [illegible]
[illegible] مرتب کرنا اور [illegible] اللغات کی تدوین شامل ہے۔
(۱۴)
(۱۵) [illegible] کی تفصیل لکھنا مشکل ہے۔ [illegible] یاد داشتیں نہیں۔ ایسی چیزوں کو
یاد رکھنا یا محفوظ رکھنا محض فضول کام ہے۔ اس سلسلے میں معذرت طلب ہوں۔ [illegible]
[illegible] کا کیا تعلق۔

(۱۶) [illegible] زندگی میں ایسی کوئی بات نہیں جسے بیان کرنا ضروری ہو۔ [illegible] زندگی [illegible]
[illegible] مشغلے [illegible] آزادی [illegible] میں۔
[illegible] اور اگر کچھ ہے [illegible] کے لیے [illegible] اور تمام [illegible] اقتدار [illegible] تو
وہ [illegible] ایسی چیزیں [illegible] پہنچا ہی نہیں۔

[illegible] سوالات کے جواب [illegible] آگئے۔ آپ کے استاد محترم
[illegible] کا حکم تھا۔ انھیں میں بہت [illegible] مانتا ہوں، اس لیے حکم کی تعمیل تو کرنا ہی تھی۔
اب [illegible] اس کی رسید مجھے مل جائے گی تو اطمینان ہوگا کہ خط تم تک پہنچ گیا۔ [illegible]
[illegible] بھیج رہا ہوں [illegible] اگر کوئی ناگفتنی ہو تو اسے قلم زد کر دیں۔

رشید حسن خاں

پاسوا تو دلا جاتا تھا: جو یہی بیچتا وا کبھی بیٹھا ہوا، اب بھی ہیں۔ [illegible] کے واسطے یہ سلانے تھیلے آگئے، سمجھو یہ کہ کھلا ڈالے سو، سے کو فرمایا، پھر پشیمانی کیوں ہو۔ بہت سے برابر دا
ری ہے کہ میرا ضمیر مطمئن ہے اور یہی پر سے لیے کافی ہے۔ اسی لیے جو ڈرامہ والوں نے لکھا ہے، اپنا سے کبھی سمجھو یا یہی کر سکا ہوں یہ بھی اسی کا فیضان ہے کہ جیسی کا پچھواڑا غلط سمجھ
واضح طور پر اسی پر گرفت کی۔ چند شاہ پاکستان میں بیٹھ کر لوگ مجھ سے دیکھ لیتے ہیں، مگر میں نا کسی کی خوشی یا نا راضگی کی کبھی اہمیت نہیں دی۔ بس اسکی طور پر
خوش ہوں اور مطمئن۔

اشاریہ

مرتب

قاسم محمود احمد

۱۔ یہ اشاریہ صفحہ ۱۱ تا ۳۲، اور ۴۷ تا ۱۹۵ پر محیط ہے۔ اس میں مقدمہ، دیباچہ، متن خطوط مع حواشی و تعلیقات اور ضمیمہ نمبر ایک کے حوالے شامل ہیں۔

۲۔ اشاریے میں اسمائے اشخاص، اماکن، کتب، رسائل اور علمی، تعلیمی، تحقیقی اور اشاعتی اداروں کے حوالے شامل ہیں۔

۳۔ مکتوب نگار (رشید حسن خاں) اور مکتوب الیہ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی) کے اسما تقریباً ہر صفحے پر آ رہے ہیں، اس لیے ان کے حوالے شاملِ اشاریہ نہیں کیے گئے۔

۴۔ خطوط اور ضمیمہ نمبر ۲ کی عکسی نقول بھی اشاریے کے دائرے میں شامل نہیں ہیں۔

—— مرتب

ooo

مآخذ و مصادر

☆ ارمغانِ شیرانی: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی و ڈاکٹر زاہد منیر عامر؛ شعبۂ اُردو، اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی؛ لاہور؛ فروری ۲۰۰۲ء

☆ ارمغانِ علمی (نذرِ ڈاکٹر وحید قریشی)؛ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی و دیگر؛ القمر انٹر پرائزز، لاہور؛ ۱۹۹۸ء

☆ اورینٹل کالج کے موجودہ اساتذہ___ کوائف اور علمی خدمات: رفیع الدین ہاشمی؛ اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور؛ ۱۹۹۷ء

☆ پروفیسر محمد منوّر به طور اقبال شناس: زبیدہ جبین؛ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور؛ طبعِ اوّل ۲۰۰۶ء

☆ پنجاب تحقیق کی روشنی میں: ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار؛ سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور؛ ۱۹۹۱ء

☆ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: سوانح اور کتابیات: عبدالعزیز ساحر؛ پنجابی ادبی سنگت، اٹک؛ دسمبر ۲۰۰۵ء

☆ ڈاکٹر فرمان فتح پوری: شخصیت و ادبی خدمات: ڈاکٹر خلیق انجم (مرتّب)؛ انجمنِ طلبۂ قدیم کراچی یونی ورسٹی، کراچی، ۱۹۹۳ء

☆ زٹل نامه (کلیّاتِ جعفر زٹلی)؛ رشید حسن خاں (مرتّب)؛ نئی دہلی؛ ۲۰۰۳ء

☆ زنده رود کا تحقیقی و تنقیدی مطالعه: ڈاکٹر راشد حمید؛ پورب اکادمی، اسلام آباد؛ جون ۲۰۰۷ء

☆ شعبۂ اُردو کی تاریخ اور خدمات: محمد وارث خان؛ شعبۂ اُردو پشاور یونی ورسٹی، پشاور؛ مارچ ۲۰۰۷ء

☆ صد رنگ سدا بہار خط: ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن رصائمہ سلیم؛ الوقار پبلی کیشنز، لاہور؛ ۲۰۰۵ء

☆ مکاتیبِ مشفق خواجہ: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی؛ ادارۂ مطبوعاتِ سلیمانی، لاہور؛ فروری ۲۰۰۸ء

☆ وفیاتِ اہلِ قلم: ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ؛ اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد؛ ۲۰۰۸ء

☆ وفیاتِ نام ورانِ پاکستان: ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ؛ اُردو سائنس بورڈ، لاہور؛ ۲۰۰۶ء

☆ ہمارے اہلِ قلم: زاہد حسین انجم؛ ملک بک ڈپو، لاہور؛ ۱۹۸۸ء

اخبارات و رسائل و جرائد:

سہ ماہی المعارف: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور؛ ستمبر ۱۹۸۲ء

ماہ نامہ اخبارِ اُردو: اسلام آباد؛ نومبر ۲۰۰۵ء

شش ماہی بازیافت: شعبۂ اُردو، اورینٹل کالج، جامعہ پنجاب، لاہور؛ شمارہ ۱: جنوری ۲۰۰۲ء۔

ایضاً: شمارہ ۵، ۶؛ جولائی ۲۰۰۴ء تا جون ۲۰۰۵ء

ماہ نامہ شاعر: ہم عصر اُردو ادب نمبر: بمبئی؛ شمارہ بابت: مئی تا دسمبر ۱۹۹۷ء۔

ماہ نامہ کتاب نما خصوصی شمارہ: رشید حسن خاں (شخصیت و ادبی خدمات) مرتبہ: اطہر فاروقی؛ نئی دہلی؛ جولائی ۲۰۰۲ء

روز نامہ نوائے وقت: ادبی ایڈیشن؛ لاہور بابت: ۸/مارچ ۲۰۰۶ء

☆☆☆

رشید حسن خاں: [دسمبر ۱۹۲۵ء - ۲۶/جنوری ۲۰۰۶ء] اردو زبان و ادب کے نام ور محقق، نقاد، تدوین کار اور ماہر لغت و املا تھے۔ ان کا شمار اردو کے چوٹی کے گنے چنے محققوں [حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، امتیاز علی خاں عرشی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مشفق خواجہ، ڈاکٹر وحید قریشی اور جمیل جالبی وغیرہ] میں ہوتا ہے۔ رشید حسن خاں کی ذات میں اکابرِ تحقیق و تدوین کے انفرادی خصائص جمع تھے۔ اُنھوں نے اردو کلاسیکی ادب کی بعض کتابوں [باغ و بہار، فسانۂ عجائب، مثنوی سحر البیان اور مثنوی گلزارِ نسیم وغیرہ] کو جس انہماک اور دیدہ ریزی سے اور مثالی طرز پر مدوّن کیا، اس کے پیشِ نظر وہ اردو تدوین کی تاریخ میں ''خاتم المدوّنین'' کہلانے کے مستحق ہیں۔ وہ عمر بھر جاہ طلبی، نام و نمود اور شہرت پسندی سے گریزاں رہے۔ حق گوئی و بے باکی ان کی یگانۂ روزگار شخصیت کا ایک نمایاں وصف تھا۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: [پ: ۱۹۴۰ء] محقق، نقاد اور ادیب۔ سابق صدر شعبہ اردو، پنجاب یونی ورسٹی لاہور۔ جھنگ، مری، سرگودھا اور لاہور کے کالجوں اور بعدازاں پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور میں تقریباً ۳۵ برس تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۳۷ کتابوں کے مصنف و مولف۔ اقبالیات اور علمی و ادبی تحقیق و تدوین ان کی تخصیص ہے۔ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔ اسپین، ترکی، بھارت، جاپان، بلجیم، جرمنی، فرانس اور سعودی عرب کے سفر کیے۔ رشید حسن خاں سے ان کی مراسلت ۲۲ برسوں پر محیط ہے۔ فی الوقت اقبال اکادمی پاکستان لاہور، شعبۂ اقبالیات پنجاب یونی ورسٹی لاہور اور ادارہ معارف اسلامی لاہور کے اعزازی رفیقِ علمی ہیں۔

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد: [پ: یکم جنوری ۱۹۷۰ء] شاعر، محقق، نقاد اور ادیب___ کئی برس تک گورنمنٹ کالج آف کامرس، اٹک میں اردو کی درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ ان دنوں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد کے شعبۂ اردو میں بطور لیکچرر کام کر رہے ہیں۔ شاعری کے تین مجموعوں سمیت نو کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ حال ہی میں مجلس ترقی ادب لاہور نے ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ اردو غزل کا تکنیکی، ہیئتی اور عروضی سفر کے عنوان سے شائع کیا ہے۔

ادبیات
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون: 042-7232788 ,042-7361408